اسلامیات کے سابقہ پرچہ جات کے حل شدہ تفصیلی سوالات

سابقہ پرچہ 2013

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 تعمیرِ کردار کے لیے مطالعہ سیرت کیا اہمیت رکھتا ہے مفصل لکھیۓ؟

ج: 1 آپ انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کوئی دور دور تک ان کو پڑھانے والا نظر نہیں آئے گا، انبیاء علیہم السلام کو تمام معلومات اور تمام رہنمائیاں براہ است اللہ تعالی کی جانب سے ملتی ہیں، اور اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں کبھی دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے، کبھی فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے، کبھی کسی اور ذریعہ سے (خواب وغیرہ کی صورت میں) بات بتلائی جاتی ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام دنیا والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں کہ زندگی ایسے گذارو۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (القرآن)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہیں۔

03204815186 محمد عثمان

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، انسانی زندگی کے لیے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانیت اپنے آپ کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ ایک چمکتا ہوا راستہ ہے، جو زندگی کی مشکلات اور تاریکی میں سے راستہ روشن کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی تقلید کرتے ہوئے، ہم اپنی ذاتی زندگیوں اور سماجی تعاملات دونوں میں روشنی پا سکتے ہیں۔

آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ اپنی ذاتی زندگی میں اور معاشرے میں اپنے میل جول میں لے کر مشکلات آسان کر سکتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہم دن رات سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اکثر انہیں محض کہانیوں کے طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہم اپنی عملی زندگی کے لیے ان سے سبق حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے موجودہ حالات کو ان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ سیرت النبی ﷺ کے واقعات جو ہم بچپن سے سنتے آ رہے ہیں، حکمت اور ہدایت کے پوشیدہ خزانوں کی مانند ہیں۔ وہ قیمتی جواہرات اور موتی ہیں، اور یہ ہماری عملی زندگیوں کے لیے قیمتی اسباق رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے، ہم اکثر ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اس بات کا احساس نہیں کرتے کہ وہ ہماری زندگی سے کتنے متعلقہ ہیں۔ درحقیقت پوری سیرت اس لائق ہے کہ ہمارے اعمال اور فیصلوں پر عمل کیا جائے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دنیا کے مختلف پہلوؤں کو جانتے ہیں، گناہوں کی کہانیاں ہمارے ذہنوں میں جمی رہی ہیں۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جو کبھی ہمارے ذہنوں سے مٹ نہ سکے، اور آج کے دور میں ٹیلی ویژن اور فلموں کا زمانہ ہے، جس سے چھوٹے بچوں کو پوری تفصیل کے ساتھ کہانیاں یاد ہیں۔ لیکن کیا اس جیسی اہمیت ہم سیرت النبی ﷺ کو دیتے ہیں؟ نہیں، بلکہ سیرت النبی ﷺ کے حالات وواقعات یاد نہیں ہیں۔

سیرت النبی ﷺ کو ہم نے نظر سے گزار دیا ہے، اور پیغمبر ﷺ ہماری زندگی سے بہت کم منسلک ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے ایک سوچنے کی بات ہے۔

ہمیں پیغمبر ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق مد نظر رکھنا چاہیئے، اور ان کے اقوال اور اعمال کو اپنی زندگی میں عملی شکل دینی چاہیئے۔ پیغمبر ﷺ کی سنتوں کو ہمیں اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیئے تاکہ ہمیں ان کے رہنماؤں پر عمل کرنے کی راہ ملے۔

پیغمبر ﷺ کے حالات اور سنتوں کو اپنے گھروں میں زندہ رکھنا ہماری زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے، اور ہمیں ان کے عظیم اخلاقی اصولوں کا احترام کرنا چاہیئے۔

03204815186 صفدر نعمان

س:2 تصورِ آخرت انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے وضاحت سے لکھیے؟

ج:2 اسلام کی بنیاد توحید (اللہ پر ایمان)، رسالت (رسول پر ایمان) اور آخرت یعنی یوم جزاء وسزا پر ہے۔ ایمان بالآخرت اس حیثیت سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ جو شخص اپنی کم نظری، کم عقلی اور لاابالی پن کے سبب یہ سمجھتا ہو کہ دنیاوی زندگی ہی بس زندگی ہے اور مرنے کے بعد اٹھنا اور اٹھایا جانا محض خیالی باتیں ہیں، تو اس کا یہ نظریہ اور سوچ نہ اسے اللہ پر ایمان لانے کا اہل بنائے گا اور نہ رسول پر ایمان لانے پر آمادہ کر سکے گی بلکہ وہ اپنی اس سوچ کے سبب ہمیشہ اس کی مخالفت ہی کرتا رہے گا۔ قرآن پاک جگہ جگہ مشرکین کے اس طرزِ فکر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ آخرت کے انکار کے لیے نئے نئے نقطہ لوگوں کے سامنے آخرت کے خلاف دلیل کے طور پر رکھتے۔ مثلاً:

(ترجمہ) "جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور صرف ہڈیاں ہوں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟" (الاسراء:49)

اور ایک جگہ ان کی سوچ کی طرف اشارہ کیا گیا۔

"بس ہماری زندگی تو یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔" (الانعام:29)

اس سوچ کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات میں آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے پیش کرتا ہے۔

"اور یاد کرو! اس وقت کو جب قبروں کو کھول دیا جائے گا اور انسان اپنے کیے دھرے کو جان لے گا۔"

(الانفطار:4-5)

03204815186

جو لوگ دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لا کر اپنے عیش و عشرت کو کیوں تج دینا چاہیں گے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو قرآن کریم "حق کا انکار کرنے والے" اور "سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے" قرار دیتا ہے اور اس کی اصل وجہ یہ بتاتا ہے کہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔

"ہر گز نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔" (المدثر:53)

قرآنِ مجید یومِ آخرت پر جس قدر زور دیتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ روزِ جزا و سزا ہی وہ تصور ہے جو نہ صرف انسان کے عقیدے کی اصلاح کرتا ہے بلکہ اس کی زندگی کو اس قدر متاثر کرتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اسی تصور سے جڑ جاتا ہے اور انسان کچھ بھی کرنے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ قیامت کے دن اس عمل سے اسے کیا ملنے والا ہے۔ اس کا یہ عمل اسے نیکی سے ہم کنار کرنے والا ہے یا گناہ میں ملوث کر دینے والا ہے۔ اس عمل کا بدلہ اسے جنت اور انعام کی شکل میں ملے گا یا یہ عمل اس کو اللہ کی ناراضگی اور جہنم کا حق دار بنانے والا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مقدمہ ٔ قرآن یعنی سورۂ فاتحہ میں جہاں اللہ کی جامع صفات کا ذکر ہے وہیں "مالکِ یوم الدین" کا بھی واضح تذکرہ ہے اور اللہ سے دعا کی گئی ہے کہ اس راستے کی طرف ہمارے رہنمائی فرما جو راستہ تیرے انعام کا راستہ ہے اور اس راستے سے بچا جس پر چلنے والوں پر تیرا غضب نازل ہوا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مختلف پیرایوں اور اسالیب میں بیان کیا ہے کہ دنیا کی زندگی محض چند روز اور خاص مدت کے لیے ہے پھر تمام انسانوں کو پلٹ کر اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور دنیا میں، جو کچھ انھوں نے اچھا یا برا، کیا ہے اس کا بدلہ پانا ہے۔

03204815186

"ان لوگوں سے کہہ دو کہ تمہیں جو کرنا ہے کرو، اللہ، اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور تم عنقریب لوٹائے جاؤ گے کھلے اور چھپے ہر کچھ جاننے والے کی طرف پھر وہ تمہیں بتا دے گا وہ سب جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔" (توبہ: 105)

"ان سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور پھر ہم ان سے (پوری زندگی کا) حساب لیں گے۔" (الغاشیہ: 36)

پھر اس دن کی ہولناکی کا بھی جگہ جگہ تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً: "وہ دن ایسا دن ہو گا کہ بھائی اپنے بھائی سے، اپنے ماں باپ سے، اپنی بیوی اور اولاد سے بھاگے گا اور اپنے ان دوستوں سے بھی فرار اختیار کرے گے جو اسے پناہ دیتے تھے۔" (عبس: 36-33)

اس دن انسان چاہے گا کہ اس کے پاس زمین کی ساری دولت ہو اور وہ اسے دے کر چھوٹ جائے تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو دردناک عذاب میں ڈال دیا جائے گا اور یہ عذاب ہمیشگی کا عذاب ہو گا۔ جسے "یوم الخلود" ہمیشگی کا دن کہا گیا ہے۔

قرآن کریم کی ان ساری آیات اور پورے قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی بے شمار آیات آخرت کا ایسا تصور انسانوں کو دیتی ہیں کہ اگر وہ انسان کے ذہن میں ہر وقت موجود رہے تو اس کی زندگی تبدیل ہو جاتی ہے، اس کا ہر عمل انجام پانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ناپسندیدگی کے ترازو میں تلتا ہے اور انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ کو خوش کرنے والا اور اس کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب سے بچانے والا ہو۔ ایسا انسان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کا طرزِ فکر و عمل ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کا اندازِ گفتگو، عادات و اطوار، لوگوں کے ساتھ سلوک اور معاملات، ان کی دلچسپی اور پسند و ناپسند سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان مالک یوم الدین پر ایمان رکھتا ہے اور اپنی زندگی کے اعمال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی

03248151806

کے احساس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ اس تصور کے ساتھ زندگی گزارنے والے انسان کا کردار اندھیرے میں روشن چراغ کی طرح ہوتا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اس کے کردار و عمل سے اسے نہ تو کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ دنیا میں کوئی غلط کام انجام دینے کا روادار ہو سکتا ہے۔ یہ معاملہ فرد کا ذاتی ہوتا ہے مگر سوچیے کہ اگر ایک ایسی ملت اور ایسا گروہ پیدا ہو جائے جو اپنی زندگی میں آخرت کے اسی تصور کے ساتھ قائم ہو تو ملت اسلامیہ کس قدر عزت و تکریم حاصل کر لے گی۔ اگر ہم بہ حیثیت فرد اور بہ حیثیت ملت اس تصور آخرت کو اپنے ذہنوں میں تازہ اور مستحکم کر لیں تو اپنے اعمال کے آئینے میں وہ خاکہ دنیا کو دکھا سکتے ہیں، جسے دیکھ کر پوری انسانیت اپنی راہ پا لے گی اور امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گی ـــ مگر ـــ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کو قرآن کریم اور اس میں دی گئی ہدایات سے جوڑیں۔ بہ صورتِ دیگر ملت کی یہ زبوں حالی اور کردار کی پستی دور نہ ہو سکے گی۔

03204815186

س: 3 خطبہ حجتہ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور ہے، وضاحت کیجیے؟

ج: 3 خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا"۔ (پارہ 6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے "حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر "حج الاسلام" اور "حج البلاغ" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہی پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قُبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت

03204815180 خالد محمود

آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ "اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی"۔

03204815186

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو“۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے“۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ ” ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا“۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کرلیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے

ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کریں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ” وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض” کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج

غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے 7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبیٰ کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆ انسانی جان، مال، عزت و آبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆ امانت کی ادائیگی۔

☆ قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆ پُر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص و دّیت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشد و ہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

سابقہ پرچہ 2014

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 صلح حدیبیہ حالات و واقعات کی روشنی میں مفصل بیان کیجیے؟

ج: 1 حدیبیہ کا واقعہ:

آنحضور ﷺ کی زندگی کی تاریخ میں بے شمار ایسے واقعات پیش آئے ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدنی زندگی کے دوران آپ پڑھنا، لکھنا نہ جانتے تھے۔ حدیبیہ کا واقعہ اپنی تاریخی اہمیت اور ایک حساس معاملے کی بناء پر بہت مشہور ہوا، اگرچہ تاریخ و احادیث کے حوالے سے اس سلسلے میں کافی اختلاف موجود ہے، لیکن اس کے باوجود ان حوالوں کی مدد سے اس موضوع پر روشنی ڈالنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

سنہ ہجری کے چھٹے سال ماہ ذی القعدہ میں رسول اکرم عمرہ و حج کی غرض سے مدینے سے مکے کی جانب روانہ ہوئے اور حکم دیا کہ قربانی کے اونٹ بھی اپنے ہمراہ لے چلیں، لیکن جونہی مکہ سے ۲ فرسخ دور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش نے راستے کی ناکہ بندی کر دی اور آپ کو اور ساتھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، باوجود اس کے ماہ حرام کا مہینہ تھا اور عہد جاہلیت کے قانون کے مطابق قریش کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ آپ کے لئے رکاوٹ پیدا کریں۔ آپ نے ان پر واضح کیا کہ میں صرف خانہ کعبہ کی زیارت کی غرض سے آیا ہوں، میرا کوئی اور مقصد نہیں،

03204815186 محمد عثمان

مناسک حج کی انجام دہی کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا، لیکن قریش پھر بھی نہ مانے۔ ادھر دوسری طرف مسلمانوں خا اصرار تھا کہ زبردستی مکہ میں داخل ہو جائیں، لیکن آپ اس بات پر راضی نہ ہوئے اور آپ نے اس مہینے کے احترام اور کعبہ کی حرمت کو پامال نہ ہونے دیا اور پھر اتفاق رائے سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا۔

صلح نامہ کی تحریری شکل:

آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح نامہ کو تحریر کروایا۔ آپ نے فرمایا لکھو""بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ سہیل بن عمرو جو قریش کا نمائندہ تھا، نے اعتراض کیا اور کہنے لگا کہ یہ آپ کا طریقہ کار ہے اور ہمارے لئے مانوس نہیں ہے، آپ یہ لکھو کہ "بسمک اللھم"۔ آپ نے اس کی بات قبول کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح سے لکھیں، بعد میں فرمانے لگے، لکھو، یہ سمجھوتہ ہے محمد رسول اللہ اور قریش کے درمیان طے پا رہا ہے۔

قریش کے نمائندے نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور صرف آپ کے پیروکار آپ کو خدا کا رسول مانتے ہیں اور اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے اور مکہ مکہ میں داخلے پر بھی پابندی نہ لگاتے، آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا، تم چاہے مجھے خدا کا رسول مانو چاہے نہ مانو لیکن میں اللہ کا رسول ہوں، اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لکھو، یہ عہد نامہ، معاہدہ محمد بن عبداللہ اور قریش کے لوگوں کے درمیان طے پا رہا ہے۔ اس موقع پر مسلمانوں نے سخت برہمی کا اظہار کیا، ازاں بعد تاریخی حوالوں کے مطابق اس معاہدے کے بعض پہلوؤں پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

سیرۃ ابن ہشام اور صحیح بخاری سے "باب الشروط فی الجهاد والمصالحۃ مع اہل الحرب"، ج۳، ص۲۴۲ میں تحریر ہے کہ

رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھے جانے کا واقعہ معاہدہ تحریر ہونے کے آغاز ہی میں رونما ہوا، لیکن زیادہ تر "

کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض اس وقت پیدا ہوا جب یہ لفظ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ اس لفظ کو مٹادو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لفظ کو اپنے دست مبارک سے مٹانے سے معذرت چاہی۔ یہاں ایک بار پھر اختلاف پایا جاتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کرنے پر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے خود اس لفظ کو یعنی محمد رسول اللہ کو مٹادیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ تحریر فرمایا۔

اور بعض دوسری روایات میں اور اہل سنت کی روایات میں بھی بڑے کھلے الفاظ میں آیا ہے کہ
آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ اس لفظ کو مجھے دکھاؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس لفظ کو مٹادو اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوں گا۔

یہاں پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تحریر کرنے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، آپ نہیں۔ ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی رائے سے آپ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا۔

قصص القرآن کی کتاب میں ابو بکر عتیق نیشاپوری سور آبادی کی تفسیر قرآن جو پانچویں صدی میں لکھی گئی ہے اور فارسی زبان میں ہے، شائع ہوئی ہے، میں بھی حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ

جب سہیل بن عمرو جو حدیبیہ کے سمجھوتے میں قریش کا نمائندہ تھا جب لفظ "رسول اللہ" پر اعتراض کرتا ہے، تو کہتا ہے "سہیل بن عمرو" اس طرح لکھو "ھذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ سہیل بن عمرو" یعنی یہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو سے سمجھوتہ کیا۔ آنحصور نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، میرا نام یعنی لفظ رسول اللہ کو مٹادو، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل اس بات کو نہ مانا تھا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹادیں اور آپ کے بار بار کہنے پر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنجیدہ خاطر ہوئے، یہاں تک کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا، میری انگلی اس لفظ پر رکھو تا کہ

میں اسے مٹادوں کیونکہ آپ اُمی تھے اور آپ لکھنا نہ جانتے تھے‘ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی انگلی سے اس لفظ کی نشاندہی کروائی اور آپ نے اس لفظ کو مٹادیا اور اس طرح سہیل بن عمرو نے جو بات کہی پوری کی۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں "تاریخ یعقوبی" میں لکھتا ہے کہ

رسول اللہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لفظ "رسول اللہ" کاٹ کر عبداللہ لکھیں۔

صحیح مسلم میں بھی یہ نقل ہوا ہے کہ

جب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے ہوئے لفظ کو مٹانے سے انکار کرتے ہیں۔

روایت کچھ اس طرح ہے‘ آپ نے فرمایا

فارنی مکانھا فاراہ مکانھا فمحاھا وکتب محمد ابن عبداللہ

آنحضور ﷺ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا‘ اس لفظ کی نشاندہی کرو اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لفظ کی نشاندہی کرائی‘ پس آپ نے اس لفظ کو مٹادیا اور محمد بن عبداللہ لکھا۔" (صحیح مسلم‘ ج‘ ص ۱۷۴)

اس روایت میں ایک جگہ تو یہ کہا جارہا ہے کہ آنحضور ﷺ لفظ مٹانے کے لئے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ کی نشاندہی کروارہے ہیں اور دوسری طرف یہ کہا جارہا ہے کہ آپ نے اس لفظ کو مٹایا اور دوسرا لفظ "محمد بن عبداللہ" لکھا۔

آغاز میں یوں لگتا ہے کہ آپ نے مٹانے کے بعد تحریر فرمایا‘ در حقیقت حدیث کے راوی کا مقصود حتمی طور پر یہ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا‘ کیونکہ حدیث کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ مٹانے کے لئے مدد مانگی۔

تاریخ طبری اور تاریخ کامل‘ ابن اثیر اور بخاری کی باب الشروط سے ایک اور روایت کے مطابق واضح طور پر کہا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لکھا‘ کیونکہ کہا گیا ہے کہ

فاخذہ رسول اللہ وکتب

آنحضور ﷺ نے دستاویز لیا اور خود لکھا۔

طبری اور ابن اثیر کی عبارت میں ایک اور جملے کا اضافہ کیا گیا ہے کہ

فاخذہ رسول اللہ ولیس یحسن ان یکتب فکتب

آنحضور ﷺ نے سمجھوتہ کی دستاویز لی، جبکہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے اور لکھا۔

طبری اور ابن اثیر کی روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ آنحضور ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے اور واقعہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے استثنائی طور پر لکھا۔

اس روایت سے شاید ان لوگوں کی بات کی تائید ہوتی ہو جو یہ کہتے ہیں کہ اگر آنحضور ﷺ علم الٰہی کے ذریعے لکھنا چاہتے تو لکھ سکتے تھے، لیکن نہیں لکھتے تھے۔ اسی طرح آپ نے کبھی نہ کسی کے شعر پڑھے اور نہ کہے، بعض دفعہ اگر آپ کسی سے کوئی شعر پڑھنے کے لئے کہتے تو اس کے مختلف حصوں کی تقدیم و تاخیر کر کے یا اس کے الفاظ میں کمی بیشی کر کے اس کے شعری ہیئت کو تبدیل فرما دیتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شعر و شاعری کو آپ کے مقام و مرتبے کے شایان شان نہ سمجھتا تھا۔

ارشاد خداوندی ہے:

الشعر وماینبغی لہ ان ھم الاذکر و قرآن مبین (یس، ٦٩) O وماعلما

اور ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر کی تعلیم دی اور نہ شاعری اس کے شان کے لائق ہے، یہ (کتاب) تو بس (نری) نصیحت ہے اور صاف صاف قرآن ہے۔

اور اسی طرح دیکھنے میں آتا ہے کہ حدیبیہ کے سلسلے میں منقول واقعات میں تسلسل نہیں پایا جاتا، اگرچہ بعض منقول واقعات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں کلمہ "بن عبد اللہ" جو آنحضور کے دستخط کا حصہ شمار ہوتا، آپ نے خود اپنے دست مبارک سے تحریر کیا تھا، لیکن انہیں حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اقدام ایک استثنائی اقدام تھا۔

اسد الغابہ میں تمیم بن جراشہ ثقفی کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت نقل کی گئی ہے، جس سے واشگاف انداز میں

یہ بات سامنے آتی ہے کہ آنحضور عہد رسالت میں بھی نہ پڑھنا جانتے تھے، نہ لکھنا۔ یہ واقعہ کچھ یوں ہے:

میں اور بنی ثقیف کا ایک گروہ آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، پھر ہم نے آپ سے درخواست کی ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کریں اور ہماری شرطوں کو تسلیم فرمالیں۔ آنحضور نے فرمایا، جو کچھ لکھنا چاہتے ہو لکھو اور مجھے دکھادو۔ ہم چاہتے تھے کہ ہمارے لئے ربا اور زنا کی اجازت کی شرط کو قبول فرمائیں، اب کیونکہ کو جب ہماری ہم لکھنا نہیں جانتے تھے ہم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رجوع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی شرطوں کے بارے میں آگاہی ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاہدہ لکھنے سے انکار کردیا، ہم نے ازاں بعد خالد بن سعید بن العاص سے اس سلسلے میں درخواست کی تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم سے وہ کیا تحریر کرانا چاہتے ہیں؟ اس نے جواب میں کہا، اس سے مجھے سروکار نہیں، وہ مجھ سے جو بھی تحریر کرنے کے لئے کہیں گے میں تحریر کروں گا۔ جب وہ آنحضور ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ جو مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔

چنانچہ خالد نے یہ معاہدہ لکھ دیا اور ہم اسے لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ آنحضور ﷺ نے ایک شخص سے اسے پڑھنے کے لئے حکم دیا، دوران قرات جونہی لفظ "ربا" آپ نے سنا، فرمایا، میرا ہاتھ لفظ "ربا" پر رکھو، اس نے لفظ "ربا" پر آپ کا دست مبارک رکھا اور آپ نے اسے مٹادیا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی

یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا (بقرہ، ۲۷۸)

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے، اگر تم سچے مومن ہو تو چھوڑ دو۔

اس آیت کو سن کر ہماری روح اور ایمان کو اطمینان پہنچا اور ہم نے آپ کی بات مان لی کہ ہم آئندہ "ربا" یعنی سود نہیں لیں گے۔ وہ شخص جو اس تحریر کو پڑھ کر سنا رہا تھا، جب "زنا" کے بارے میں بتایا تو ایک بار پھر آپ نے اپنا دست مبارک اس لفظ "زنا" پر رکھا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی

03204815186

ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ...(اسراء‘۳۲)

(اسد الغابہ‘ج ۱‘ص ۲۱۶)

اور دیکھو سنا کے پاس بھی نہ بھٹکنا کیونکہ بے شک وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے۔

صفدر خان 03204815186

س:2 خطبہ حجتہ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور ہے، وضاحت کیجیے؟

ج:2 خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا"۔ (پارہ 6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے "حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر "حج الاسلام" اور "حج البلاغ" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہی پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت

آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ ”اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو“۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے“۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ ” ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا“۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے

ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کریں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ” وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض” کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج

غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے 7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبیٰ کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆انسانی جان، مال، عزت وآبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆امانت کی ادائیگی۔

☆قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆پُرامن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص ودِّیت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشدوہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

س: 3 ثقافت سے کیا مراد ہے؟ نیز اسلامی تہذیب و ثقافت کی بنیادی خصوصیات درج کیجیے؟

ج: 3 **ثقافت**: ثقافت کا مطلب ہے ایک معین علاقے یا معاشرتی جماعت کی روایات، فنون، اصول، اور اقدار کا مجموعہ۔ یہ ایک معاشرتی گروہ یا ملک کی تمام ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ روایات کو شامل کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کی خصوصیات: یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزارہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئ صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کر دینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیءقدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت و کرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم و حکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید و قدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق وانصاف پر مبنی ہو اور دین وعقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم وکرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

سابقہ پرچہ 2015

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 مندرجہ ذیل میں سے دو کا ترجمہ و تشریح کیجیے؟

الف: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ؕ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔

ب: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّهَاتُهُمْ۔

ج: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی۔

ج:1

الف: ترجمہ: رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور مسلمان بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر یہ کہتے ہوئے ایمان لائے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔

تشریح: اس آیت میں پہلے اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے‘ کیونکہ ہر ذی عقل سب سے پہلے وجود صانع پر استدلال کرتا ہے اس کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے‘ کیونکہ اللہ اور بندوں کے درمیان فرشتے واسطہ ہیں‘ اس لیے ان کا دوسرے درجہ میں ذکر ہے‘ پھر کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے‘ کیونکہ کتابیں وہ وحی ہیں جن کو فرشتہ اللہ سے لے کر نبیوں تک پہنچاتا ہے اس لیے ان کا تیسرے مرتبہ میں ذکر ہے‘ اس کے بعد رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے‘ کیونکہ وہی وحی کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں اس لیے ان کا چوتھی جگہ ذکر ہے۔

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے میں ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے‘ جیسے یہود اور نصاری نے فرق کیا کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

ب: ترجمہ: یہ نبیِ (مکرّم) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی اَزواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔

تشریح:

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں

مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ہوئے، بناء بریں مومن (من حیث ہو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہو گا۔۔۔۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملی ہے۔ نبی کریم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف اتنا نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم

دیدے تو فرض ہو جائے"۔ ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں، یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم واحترام میں اور بعض احکام جو ان کے لیے شریعت سے ثابت ہوں، کل احکام میں نہیں۔

(تفسیر عثمانی)

ج: ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

تشریح: یہ بہت عظیم الشان حدیث ہے۔ بعض علماء تو اسے تہائی اسلام گردانا ہے۔ مومن کو اس کی نیت اور اس کی درستگی کے مطابق ثواب دیا جاتا ہے۔ پس جس کے اعمال خالصتاً اللہ کے لیے ہوں، انہیں شرف قبولیت حاصل ہو گی اگرچہ وہ بہت تھوڑے اور ہلکے ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہوں۔ اور جس کے اعمال لوگوں کو دکھانے کے لیے ہوں اور خالصتاً اللہ کے لیے نہ ہوں تو وہ رد کر دیے جائیں گے اگرچہ وہ بہت بڑے اور بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر وہ عمل جس سے اللہ کی رضا کے بجائے کچھ اور مقصود ہو چاہے یہ مقصود کوئی عورت ہو یا پھر مال وجاہ یا امورِ دنیا میں سے کچھ اور تو اسے صاحب عمل پر رد کر دیا جاتا ہے اور اس کا یہ عمل اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ نیک عمل کی قبولیت کی دو شرائط ہیں: ایک تو یہ کہ عمل خالصتاً اللہ کے لیے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق ہو۔

س:2 تزکیہ نفس اور تعمیرِ سیرت کے نبوی منہاج پر تفصیلی نوٹ قلمبند کیجیے؟

ج: 2 تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کی اہمیت کے پیشِ نظر سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ہر لمحہ وہر لحظہ تزکیہ نفس کو پیش نظر رکھا- بلکہ اس کے باقی احکام شریعت پہ فوقیت واہمیت دی، جیسا کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم (ﷺ) جہاد سے واپس تشریف لائے تو آپ (ﷺ) نے اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے ارشاد فرمایا:

أَتَيْتُمْ مِّنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔

تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو

صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) نے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ)! جہادِ اکبر کیا چیز ہے؟ تو رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا

مُجَاهِدَةُ النَّفْسِ

(وہ نفس کا مجاہدہ کرنا ہے)

سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی توجہ کا مکمل مرکز ہی تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہونے کی وجہ سے آپ (ﷺ) وقتاً فوقتاً اپنے غلاموں کی ظاہری و قلبی کیفیت کا نہ صرف ملاحظہ فرماتے بلکہ اس کے بارے دریافت بھی فرماتے جیسا کہ حضرت حارث بن مالک انصاری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس سے گزرے، تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

اے حارث! تو نے کیسے صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے سچے مومن کی طرح یعنی (حقیقت ایمان کے ساتھ) صبح کی۔ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اے حارث دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے؟" حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہر ایک شے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرا نفس دنیا سے بے رغبت ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی راتوں میں بیدار اور دن میں (دیدارِ الٰہی کی طلب میں) پیاسا رہتا ہوں اور حالت یہ ہے گویا میں اپنے رب کے عرش کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ مَیں، جنت میں اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ مَیں، دوزخ میں دوزخیوں کو تکلیف سے چلاتے دیکھ رہا ہوں"۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا

يَا حَارِثُ عَرَفْتَ فَالْزَمْ ثَلَاثًا

اے حارث! تو نے (حقیقت ایمان کو) پہچان لیا، اب (اس سے) چمٹ جا۔ یہ کلمہ آپ (ﷺ) نے تین مرتبہ فرمایا

یہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کو سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی نگاہِ ناز و رفاقت مبارک سے جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نصیب ہوا وہ اس کو متاعِ بے بہا سمجھ کر دنیا کی ہر چیز پہ اس کو فوقیت دیتے اور نہ صرف اس کی حفاظت کرتے بلکہ ہر لحہ اس میں اضافے کے خواہش مند رہتے۔ جیسا کہ روایت مبارک میں ہے کہ

"حضرت حنظلہ) رضی اللہ عنہ ((ایک دن ایک خاص احتسابی کیفیت میں سوچتے سوچتے رونے لگے اور اسی حالت میں) سیدنا حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرے تو رو رہے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنھم) نے فرمایا: اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: "اے ابو بکر! حنظلہ منافق ہو گیا ہے"۔

حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں ہم حضور نبی کریم (ﷺ) کی مجلس مبارک میں ہوتے ہیں اور آپ (ﷺ) ہم سے دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر جب ہم اپنی حرم اور مال و اسباب کی طرف لوٹتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ ساری بات سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! میرا ابھی یہی حال ہے۔ (آؤ) میرے ساتھ حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس چلو

حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں پس ہم دونوں حضور رسالت مآب (ﷺ) کی بارگاہ مبارک میں چلے گئے۔ پس جب رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے غلام کو دیکھا تو ارشاد فرمایا:

اے (میرے) حنظلہ تجھے کیا ہوا؟

حضرت حنظلہ عرض کی "یارسول اللہ (ﷺ)! حنظلہ منافق ہو گیا

(اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے عرض کرتے ہیں)

یارسول اللہ (ﷺ)! جب ہم آپ (ﷺ) کے پاس ہوتے ہیں اور آپ (ﷺ) ہمیں وعظ و نصیحت میں جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا کہ ان دونوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں

اور جب ہم واپس لوٹتے ہیں اور بیویوں اور مال و اسباب میں مصروفیت کی وجہ سے بہت کچھ بھول جاتے ہیں (تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی)

حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ آقا کریم (ﷺ) نے میری ساری بات تفصیل سے سنی اور پھر ارشاد فرمایا:

03204815186

لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّذِیْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا مِنْ عِنْدِیْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِیْ مَجَالِسِكُمْ وَفِیْ طُرُقِكُمْ وَعَلَى فُرُشِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً وَسَاعَةً

اگر تم اسی حال پر باقی رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہاری مجلسوں، بستروں اور راستوں میں تم سے ہاتھ ملائیں لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے

ان روایات مبارکہ سے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی اہمیت مخفی نہیں رہتی مزید بر آں تزکیہ نفس و تصفیہ کی اہمیت سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے ان فرامین مبارکہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے

حضرت فَضالہ بن عُبَید (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے حجۃ الوداع کے موقع پہ ارشاد فرمایا:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ

مجاہد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے

حضرت محمد بن کعب (رضی اللہ عنہ) روایت بیان فرماتے ہیں:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّيْنِ، وَزَهَّدَهُ فِي الدُّنْيَا، وَبَصَّرَهُ عُيُوْبَهُ فَمَنْ أُوْتِيَ هٰذَا فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

جب اللہ پاک کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی فہم عطا فرماتا ہے- دنیا میں زہد عطا فرماتا ہے اور اسے اپنے عیوب پہ مطلع فرماتا ہے- پس جس (خوش قسمت) کو یہ چیزیں عطا کی گئی اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی

انسانی بدن میں دل کو اہم مقام حاصل ہے اس کے تصفیہ پہ پورے بدن کی اصلاح کا دارومدار ہے جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

03248151860

أَلَاوَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَاوَهِيَ الْقَلْبُ

خبر دار جسم میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ فاسد تو سارا جسم فاسد ہے خبر دار وہ دل ہے

ایک مقام پہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے دل کے تصفیہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم (ﷺ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ

ہر چیز کو صاف کرنے والا کوئی نہ کوئی آلہ ہوتا ہے اور دلوں کو صیقل کرنے کے لیے اللہ پاک کا ذکر ہے

اس حدیث مبارک کی تشریح میں ملا علی قاریؒ رقم طراز ہیں کہ

ہر چیز جب اس پہ زنگ چڑھ جائے تو اس کو حقیقی یا مجازی طور پر صیقل یعنی روشن، صاف، اس کا تزکیہ اور تصفیہ کرنے کے لیے امام ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق کوئی آلہ ہوگا جس کے ذریعے اس کا زنگ اترے گا اور اس کی میل کچیل دور ہوگی اور دلوں کو صیقل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ کیونکہ دل سے اللہ عزوجل کے ذکر کے ذریعے اغیار کا غبار اترتا ہے اور دل (انوارِ الٰہیہ) کے آثار کا مطالعہ کرنے کا آئینہ بن جاتا ہے۔

03204815126

س:3 مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے؟

الف۔ مواخاتِ مدینہ۔

ب۔ خطبہ حجتہ الوداع۔

الف۔ مواخاتِ مدینہ: مدینہ کے معاشرے کا ایک بڑا مسئلہ سینکڑوں مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ تھا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر مسلسل لوگ اکھٹرے چلے آرہے تھے اور چند ہزار کی آبادی رکھنے والی متوسط سی بستی کو انہیں اپنے اندر جذب کرنا تھا واقعہ یہ ہے اس مسئلے کو، جو تاریخ میں جب بھی پیدا ہوتا ہے، پریشان کن بن جایا کرتا ہے، مدینہ کے معاشرے اور صدر ریاست نے جس کمال حکمت عملی سے حل کیا، اس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہیں ملتی کوئی آرڈی نینس جاری نہیں کیے گئے کوئی قانون نہیں ٹھونسے گئے الاٹ منٹس نہیں کی گئیں مہاجرین کی تعداد معین کر کے کوئی قدغن نہیں لگائی گئی کسی جبر سے کام نہیں لیا گیا محض ایک اخلاقی اپیل سے اس پر پیچ مسئلے کو چند روز میں حل کر لیا گیا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدے، نظریے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی اور ایک ایک انصاری کے ساتھ ایک ایک مہاجر کا رشتہ قائم کر دیا انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، مساکن، باغات اور کھیت آدھوں آدھ بانٹ کر رفقائے مقصد کو دے رہے تھے بلکہ بعض تو دو دو بیویوں میں سے ایک ایک کو طلاق دیکر اپنے دینی بھائیوں کے نکاح میں دینے کو تیار ہو گئے دوسری طرف مہاجرین کی خودداری کا نقشہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں کھیت یا بازار کا راستہ دکھا دو، ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے

اخوت احساس کو کہتے ہیں اور بانٹ کر کھانے کا نام مواخات ہے ریاست مدینہ مواخات کی بنیاد پر استوار ہوئی اور انصار مدینہ مواخات مدینہ کے علم بردار ٹھہرے ایثار کے عملی اظہار کا نام انصار ہے انصار مدینہ اس لیے بھی عالی

شان ہیں کہ وہ اصحاب رسول ہیں رضی اللہ عنہم مواخات کی برکت کا یہ عالم ہے کہ انسان تو کیا مدینہ کی بلیاں بھی بھوکی نہیں سوتیں... قدرت اللہ شہاب بتاتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی شریف کے دروازے پر جوتوں کے پاکستانی رکھوالے سے پوچھا کہ آپ کے کھانے کا انتظام کیسے ہوتا ہے؟ بولا ایک ولی یہاں بلیوں کے لیے کھانا اکٹھا کرنے پر مامور ہیں سارا دن سر پر ٹوکری اٹھائے پھرتے ہیں جگہ جگہ سے کھانے کے ٹکڑے اکٹھے کرتے رہتے ہیں اور پھر جب وہ کھانے کے وقت ٹوکری لے کر آتے ہیں تو مدینہ کی ساری بلیاں میائوں میائوں کرتی اکٹھی ہو جاتی ہیں جس شہر میں بلیوں کا اتنا اچھا انتظام ہے وہاں انسان کیسے بھوکا رہ سکتا ہے؟ مواخات مدینہ کی خوشبو سے مہکتا یہی وہ احساس ہے جس کی روشنی میں ریاست مدینہ تشکیل پاتی ہے۔

ب۔ خطبہ حجتہ الوداع: خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ) ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا“۔ (پارہ 6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے ”حجۃ الوداع“ کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر ”حج الاسلام“ اور ”حج البلاغ“ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہی پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قُبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ ”اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا“۔

03204815186

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہاہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے“۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ ” ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا“۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

”لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

”لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آ کر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے

7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبیٰ کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ ے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆انسانی جان، مال، عزت وآبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆امانت کی ادائیگی۔

☆قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆پُرامن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص ودیّت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشد وہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

سابقہ پرچہ 2016

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 عصری تہذیبی کشمکش کا مفہوم واضح کیجیے اور مسلمانوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

ج: 1 ڈاکٹر محمد امین نے فکر مغرب پر کئی تنقیدی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے "اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش" ہے۔ اس کو کتاب محل لاہور نے شائع کیا ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں مسلمانوں کے ہاں مغربی تہذیب کے بارے میں پائے جانے والے تین ممکنہ رویوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں مسلم معاشرے پر مغربی تہذیب کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں بھی پاکستان کے تناظر میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔

مغربی تہذیب کے حوالے سے مسلمانوں کے ہاں تین طرح کی آراء پائی جاتی ہیں

۱. مغربی تہذیب کو مکمل رد کیا جائے

۲. مغربی تہذیب کو قبول کر لیا جائے

۳. مغربی تہذیب سے مفاہمت کر لی جائے

ڈاکٹر صاحب نے ان تینوں صورتوں پر بالترتیب گفتگو کی ہے۔

03204815186

پہلی صورت کے بارے میں مصنف نے بتایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی اکثریت کا نظریہ ہے۔ اس کی کئی وجوہات ڈاکٹر صاحب نے ذکر کی ہیں۔ جن میں سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور مغربی تہذیب الگ الگ اور مستقل فکریں ہیں جن کی اساس ہی آپس میں متضاد ہے۔ جب ان دونوں کی بنیادی اساس ہی آپس میں متضاد ہے تو ان کے درمیان مفاہمت یا قبولیت کی بات کرنے والے یا تو اسلام کو درست طور پر نہیں سمجھتے یا پھر مغربی تہذیب سے ناواقف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب تین بنیادی تصورات لبرلزم، سیکولرزم اور ہیومنزم پر قائم ہے۔ یہ ایک الگ نظام فکر کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی مغربی تہذیب کو عیسائی تہذیب سمجھتا ہے تو وہ بالکل غلط ہے۔ اجتماعی نظام سے عیسائیت کو نکال دیا گیا ہے۔ اس لیے مغربی تہذیب کی حیثیت اسلام کے مقابل ایک دین کی ہے اور یہ خدا، رسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں مطالعہ مغرب کی روایت علمی طور پر اتنی مستحکم نہیں ہے اس لیے بہت سے پڑھے لکھے لوگ اس سے واقف نہیں ہیں۔

ہیومنزم جو کہ فکر مغرب کا بنیادی تصور ہے کے مطابق انسان آزاد ہے اور وہ اپنے لیے صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے میں خود مختار ہے۔ جبکہ اسلام میں انسان کی حیثیت ایک عبد کی ہے وہ مکمل طور پر آزاد ہرگز نہیں ہے۔ اس کی آزادی فقط وہاں پر جہاں پر خدا یا رسول نے اس کو کوئی واضح حکم نہیں دیا۔ اس کے لیے بھی وہ پابند ہے کہ وہ شریعت کی حکمت کو سامنے رکھے نہ کہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

مغربی تہذیب کو رد کرنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اہل مغرب کا اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے رویہ معاندانہ ہے۔ مغرب استعماری قوتوں کا مرکز رہا ہے اور استعمار نے مسلمانوں کا معاشی اور سیاسی استحصال کیا ہے۔ انہوں نے مسلم ممالک کی زمینوں پر قبضہ کیا اور یہاں کے وسائل کو لوٹا، مغربی تہذیب کی ترقی کی بنیاد اس لوٹ مار پر ہے۔ وسائل کی اس لوٹ مار سے مسلم ممالک معاشی عدم استحکام کا شکار ہوئے جس سے اب تک نہیں نکل سکے۔ پھر استعمار نے نا صرف فقط ہمارا معاشی اور سیاسی استحصال نہیں کیا بلکہ اس نے تعلیم اور سماج پر بھی اپنا اثر و رسوخ چھوڑا۔ اس نے

03204815160

کر دیا اور ایک بڑی irrelevant اپنا تعلیمی نظام بھی نافذ کیا اور پہلے سے چلے آنے والے نظام کو بالکل ہی تعداد میں لوگوں کو کسی اہم کردار ادا کرنے کے لیے نااہل قرار دے ڈالا۔ پھر ان کے اپنے نظام تعلیم سے نکل کر آنے والے لوگ ذہنی طور پر ان ہے مرعوب تھے تو وہ ان کے مفادات کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکے۔ جبکہ دوسری جانب استشراق کے ذریعے ہماری مذہبی اقدار پر بھی حملے ہوئے، اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی اور تواتر اور ڈھٹائی سے جھوٹ بولا گیا۔ یہاں تک کچھ انصاف پسند مستشرقین کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ان کے پیش رو مستشرقین نے اسلام کی ایک غلط اور غیر حقیقی تصویر مغرب کو پیش کی۔ وقت کے ساتھ کچھ مستشرقین کے تعصب میں کمی ضرور آئی مگر اسلام کے حوالے سے ان کا رویہ دوستانہ نہیں رہا.

ڈاکٹر صاحب نے یہاں مغربی جمہوریت پر بھی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس کی بنیاد سیکولرزم اور ہیومنزم پر ہے یہ اسلام کے خلاف ہے کیونکہ اس جمہوریت میں پارلیمان قانون سازی میں مکمل طور پر خود مختار ہوتی ہے وہ اگر سود، شراب، ہم جنس پرستی یا پھر کسی اور حرام کو حلال کہہ سکتی ہے۔ ایسے ہی لا محدود اختیارات کی حامل پارلیمان حلال کو حرام بھی قرار دے سکتی ہے۔ جبکہ اسلام میں مجلسِ شوریٰ کے اختیارات محدود ہیں، وہاں اگر اکثریت سود کو جائز بھی قرار دیں تو بھی یہ ناجائز ہو گی اور یہ جمہور کی رائے نہیں ہو گی۔ کتاب کے دوسرے حصے میں پارلیمنٹ کے کردار پر مصنف نے مزید بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ خالصتاً ایک مغربی ادارہ ہے۔ یہ مجلسِ شوریٰ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے لیے اسلامی تعلیمات اور اقدار سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ نیز ماضی میں فقہاء اسلام نے جو قانون سازی کی ہے وہ نجی سطح پر کی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ کسی بیرونی دباؤ سے آزاد ہوتے تھے۔ حکام فقہاء کے آراء کو نافذ کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی آئین اور پھر عدالتوں کا آئین کی پابندی کرتے ہوئے فیصلہ کرنا یہ بھی مغربی تہذیب کا ایک مظہر ہے۔ لوگوں کے بنائے ہوئے آئین میں اگر کوئی بھی شق غیر اسلامی ہو تو بھلے وہ آئین کا حصہ ہو لیکن اس کے اوپر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مغربی تہذیب کو رد کرنے سے ہماری مراد اس سے تصادم یا جنگ نہیں ہے۔ ہم اتنا چاہتے ہیں کہ مغرب ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کرے، بطور مسلمان ہمارے لیے مغربی تہذیب کی پیروی اختیار کرنا ناممکن ہے۔ لیکن یہاں ڈاکٹر صاحب نے ایک نکتہ نظر انداز کر دیا کہ اسلام دعوت کا دین ہے، مغرب بھی اس کی دعوت میں شامل ہے۔ مغرب کو اسلام کی دعوت سے مسئلہ بھی نہیں لیکن اگر مسلمان مغربی تہذیب کو مکمل رد کر دیں گے تو کیا ان کا رویہ اسلام کی دعوت کے حوالے سے پہلے جیسا رہے گا؟

ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں مسلمان ممالک کے حکمرانوں پر بھی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ وہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں جس کی وجہ سے وہ اس کے بارے میں واضح طرزِ عمل نہیں رکھتے۔

ڈاکٹر امین صاحب نے لکھا ہے کہ مغربی تہذیب کو مکمل رد کرنے والے تصادم اور جنگ کے قائل نہیں چونکہ مغربی تہذیب اس وقت غالب ہے اور اس کے نمائندوں نے مسلمان ممالک میں تسلط قائم کیا ہے تو کچھ لوگوں نے اس تسلط کو جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ مسلمانوں کی ایک اقلیت جو کہ اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکی اس کا رویہ ہے۔ یہ کل مسلمانوں کا رویہ نہیں ہے۔ اکثریت تصادم نہیں چاہتی

جہاں تک مغربی تہذیب کے چند محاسن کا تعلق ہے تو مصنف نے ان کو تسلیم کیا ہے لیکن مصنف کا خیال ہے کہ اہل اسلام کو اس معاملے میں خاص محتاط ردعمل کی ضرورت ہے کہیں ہم اس معاملے میں بھی مرعوبیت کا شکار نہ ہو جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے بنیادی گفتگو اس باب میں کی ہے اور اس بنیاد پر باقی دو نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ مصنف خود بھی اس بات کے مؤید ہیں کہ اسلام اور تہذیب مغرب دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں اور مسلمانوں کو تہذیب مغرب کو مکمل رد کرنا چاہیے

جہاں تک دوسرے نظریے کا تعلق ہے کہ مسلمانوں کو مغربی تہذیب کو قبول کر لینا چاہیے اس کے حق میں درج ذیل دلائل دیئے جاتے ہیں.

جس طرح مغرب نے ترقی کا سفر طے کیا ہے ہم مسلمانوں کو بھی ان کے اصول اپنا کر ترقی کرنی چاہیے۔

اس نظریے کے حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اسلام کو ترک کرنے کا نہیں کہہ رہے، بلکہ خود مغرب کو بھی ہماری عبادات کے بجالانے پر کوئی اعتراض نہیں۔

اس پر مصنف کا کہنا ہے کہ مغرب کا تصور ترقی اسلام کے تصور ترقی سے بالکل ہی مختلف ہے۔ اسلام میں دنیاوی کے ساتھ اخروی کامیابی بنیادی مقصد ہے جبکہ مغربی تہذیب میں ترقی کا مطلب دنیاوی ترقی ہے۔ پھر مغرب کی ترقی خدا اور رسول کی تعلیمات کے انکار پر ہے جبکہ مسلمانوں کی ترقی خدا اور رسول کی اطاعت پر ہے۔ لہذا مصنف کہتے ہیں کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو مغرب کا طرزِ فکر اپنا لینا چاہیے اس سے ان کے اسلام سے تعلق پر کوئی فرق نہیں پڑتا وہ مغربی تہذیب سے ناواقف ہیں۔

یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد، سرسید احمد خان، علامہ مشرقی اور سید امیر علی کا نام لیکر ذکر کیا کہ ان کا خیال تھا کہ مغرب نے جن اصولوں پر ترقی کی وہ اسلام ہی کے اصول ہیں۔ ڈاکٹر امین صاحب نے لکھا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ مغرب کی ترقی اپنے نظام فکر کی وجہ سے ہے۔ جہاں تک ان کے محنت کرنے کی بات ہے تو مصنف نے کہا کہ یہ خدا کا قانون ہے وہ رزاق ہے جس طرح وہ مسلمانوں کو رزق دیتا ہے تو غیر مسلموں کو بھی رزق دیتا ہے۔ اس نے محنت اور تدبیر پر کچھ معاملات کو موقوف کیا ہے۔ اس کا تعلق اسلام یا غیر اسلام سے نہیں ہے بلکہ اسباب کے ساتھ ہے۔ جو قوم بہتر اسباب کو استعمال کرے گی وہ کامیابی کے زیادہ مواقع پیدا کرے گی اس وقت اہل مغرب کے ہاں کامیابی کے مواقع بنسبت زیادہ ہیں کیونکہ انہوں نے اسباب کو مسلمانوں سے زیادہ بہتر استعمال کیا ہے۔

اس موقف کے مؤید یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ مغرب کی ترقی سائنس و ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہے۔ مسلمانوں کو مغرب سے اس میدان میں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مغرب کی ترقی سائنس و ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہے۔ ان کے نزدیک مغرب کی ترقی اپنے نظریے اور فکر سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ اس پر مزید ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں اس وقت تک ترقی ممکن نہیں جب تک آپ کے ہاں اچھی تعلیم نہ ہو پھر وہاں پر لیبارٹریوں کے لیے کثیر پیسہ درکار ہے اور یہ مالی استحکام کے بغیر ممکن نہیں۔ مالی استحکام سیاسی استحکام کی وجہ سے ہوتا ہے اور سیاسی استحکام نظریہ حیات سے کامل وابستگی کے ساتھ ہی قائم ہوتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ ہمیں سائنس و ٹیکنالوجی مغرب کی پیروی کرنی چاہیے بھی درست نہیں کیونکہ اس صورت میں ہم ٹیکنالوجی کے استعمال کنندہ (end user) بن جائیں گے۔ اگر ہمیں سائنس و ٹیکنالوجی میں آگے بڑھنا ہے تو ہمیں اپنے ملک میں اعلیٰ تعلیم اور بہترین تجربہ گاہوں کو قائم کرنا ہو گا اور ملک میں اعلیٰ تعلیمی ماحول پیدا کرنا ہو گا

مصنف نے لکھا ہے کہ ترقی کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہم مکمل طور پر اسلام کے نظریہ حیات سے وابستہ ہو جائیں یا پھر مکمل طور پر مغرب کے ساتھ۔ مصنف نے جرمنی اور جاپان کی مثال دی جنہوں نے مغرب کا نظریہ حیات اپنایا اور اب ترقی کر رہے ہیں جبکہ ترکیہ نے ان سے پہلے مغربی تہذیب کو اپنایا لیکن وہ اس طرح ترقی نہیں کر سکے کیونکہ وہ ذہنی طور اسلام کے نظریہ حیات سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ اس لیے آج بھی ترکیہ یورپی یونین میں جگہ نہیں بنا سکا اور نہ اس کا شمار ترقی یافتہ ممالک کیا جاتا ہے جیسے کہ جرمنی اور جاپان کا جنہوں نے مکمل طور پر اس نظریہ حیات کو اپنایا۔

مصنف نے اس باب میں جاوید احمد غامدی صاحب اور ڈاکٹر جاوید اقبال مرحوم کے نظریات پر بھی تنقید کی ہے۔ جن کے مطابق اسلامی تہذیب از خود کوئی مستقل تہذیب نہیں بلکہ مقامی ثقافتوں کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ ایسے ہی مغربی

تہذیب کوئی منفرد تہذیب نہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو بلکہ رومی ایرانی اور اسلامی تہذیبوں ہی کا ایک تسلسل ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال مرحوم نے تو مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کا تسلسل قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ آج کے اسکالرز کو چاہیے کہ مغربی تہذیب کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی نصوص کی تعبیر نو کر کے اس کو جدید بنانا چاہیے

تیسرا نظریہ جن کے مطابق ہمیں مغربی تہذیب سے مفاہمت کی راہ نکالنی چاہیے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے مسلمان بنیادی طور پر داعی ہیں۔ اہل مغرب اپنی گمراہیوں اور خرابیوں کے باوجود ہمارے لیے امت دعوت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ظاہری بات ہے کہ دعوت پہنچانے کے لیے مفاہمت کا ماحول ہی زیادہ بہتر ہے اگر اہل مغرب ہم سے نفرت اور دشمنی کا رویہ رکھتے ہیں تو اسلام ہمیں اخلاق کریمانہ کا درس دیتا ہے۔ ہم محبت اور اخوت کے جذبے سے اس دشمنی کو دوستی میں بدل سکتے ہیں۔

اس پر مصنف نے لکھا کہ پہلے یہاں مفاہمت کا مفہوم واضح کرنا چاہیے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ نیز مفاہمت کے لیے ضروری ہے کہ دونوں فریقین اس پر رضامند ہوں۔ اور پھر مفاہمت کن معاملات پر کرنی ہے۔

مفاہمت کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کی حیثیت بھی مساوی ہو یعنی کوئی کسی دوسرے پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کرے اور ہر کوئی اپنی مرضی سے مفاہمت کرے نا کہ دب کر مفاہمت ہو۔ مفاہمت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی فریق اپنے اصول نہ چھوڑے اور دوسرے فریق کے اصول نہ اپنائے۔ جن امور پر مفاہمت ہو ان کا مبنی بر انصاف ہونا ضروری ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلام جبر و اکراہ کو درست نہیں سمجھتا۔ لہذا اگر ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مغربی تہذیب سے مفاہمت کوئی راہ نکلتی ہے تو ٹھیک ہے لیکن یہاں مفاہمت میں رکاوٹ اہل اسلام نہیں بلکہ مغرب ہے۔ اس وقت مغرب مفاہمت نہیں چاہتا وہ مکمل طور پر غالب آنا چاہتا ہے وہ مسلمانوں کا وجود برداشت نہیں کر رہے۔

جہاں تک دعوت کی بات ہے۔ اس پر مصنف کا خیال ہے کہ اس وقت کسی داعی میں مجسم اسلام نظر نہیں آتا نہ کہیں اسلامی معاشرہ ہے اس لیے اگر ہم بطور داعی بھی اپنا فریضہ انجام دینے کی کوشش کریں تو بھی کماحقہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمیں پہلے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلامی فکر و عمل کا نمونہ بننا ہے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان میں ایک بھی ایسا تعلیمی ادارہ موجود نہیں جو اسلامی علوم پر دسترس رکھنے کے ساتھ انگریزی زبان میں مہارت رکھتا ہو اور مغربی علوم اور معاشرے کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہو۔ اس لیے ہمیں مجسم طور پر اسلامی فکر و عمل میں ڈھلنے کے ساتھ ایک اسلامی معاشرے کی مثال قائم کرنا ہو گی تب ہی ہم دعوتی انداز میں زیادہ بہتر اپیل کر سکتے ہیں۔

مفاہمت اگر ہو جائے تو یہ اہل اسلام کے حق میں بھی بہتر ہے کیونکہ تصادم ان کے مفاد میں نہیں اور اس وقت طاقت کا توازن بھی ان کے حق میں ہے۔ لیکن مفاہمت اگر برابری کی سطح پر ہو تو ہی یہ مفاہمت کہلائے گی لیکن مغرب کا رویہ بتاتا ہے کہ وہ مفاہمت نہیں چاہتے وہ زور زبردستی اپنا نظریہ حیات مسلط کرنا چاہتے ہیں جو کہ مسلمانوں کے لیے کسی صورت میں قبول نہیں

کتاب کا دوسرا حصہ پاکستان جو کہ مسلم معاشرے ہے پر مغربی تہذیب کے اثرات اور اس کے اسباب کے بارے میں ہے۔ اس حصے میں مصنف نے اس چیز کا تجزیہ کیا ہے کہ جب مغربی تہذیب مسلم معاشرے میں نفوذ کرتی ہے تو وہ کس طرح وہاں کے سماجی ڈھانچے کو متاثر کرتی ہے۔

اس میں سب سے پہلے مصنف نے تعلیم کے اوپر بات کی ہے اور بتایا ہے کہ استعماری قوتوں کا یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے انہوں نے اپنی تہذیب کو مسلم معاشرے میں نافذ کیا۔ مصنف نے بتایا کہ اسلامی معاشرے میں تعلیم کبھی بھی منافع بخش کاروبار نہیں رہا بلکہ یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر شہری کو تعلیم فراہم کرے اور اس کا نصاب حکومت کی بجائے علماء اور اساتذہ طے کرتے تھے۔ مغربیت نے تعلیم کو ایک کاروبار کی شکل دی اور پھر وہاں کے نصاب پر الگ سے اثر انداز ہوا۔ نصاب کے اوپر اثر انداز ہونے کے حوالے سے اس کی مثال علی گڑھ ہے۔ مصنف نے بتایا کہ اس وقت پاکستان میں جو تعلیمی ادارے وہ علی گڑھ ہی کا تسلسل ہیں۔

تعلیم کا اصل مقصد بیداری شعور اور خدا شناسی ہے جبکہ ہمارے ہاں کے تعلیمی اداروں میں فقط ان علوم پر توجہ دی جاتی تا کہ اس سے اچھی نوکری حاصل کی جا سکے۔ سماجی علوم پر توجہ بالکل بھی نہیں دی جاتی۔ مصنف نے انگریزی میڈیم اسکول سسٹم پر بھی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ہمیں اپنی زبان میں تعلیم دینی چاہیے۔ ایسے ہی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لیے بھی بھاری فیسیں دینی پڑتی ہیں جس سے ایک خاص طبقے کے لوگ ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس تعلیمی نظام کے تحت طلبہ اور اساتذہ کے درمیان تعلق بھی پہلے جیسا نہیں طلبہ کے ہاں اساتذہ کے لیے احترام نہیں پایا جاتا۔ اس کے ساتھ ٹیوشن کے ذریعے الگ سے طلبہ کا استحصال کیا جاتا ہے۔ کئی اساتذہ سکولوں میں ٹھیک نہیں پڑھاتے وہ طلبہ کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کے پاس الگ سے ٹیوشن پڑھیں۔

یہاں مصنف نے مدارس کے نظام پر بھی تنقید کی ہے اور ان کے فرقہ ورانہ تقسیم پر مبنی بورڈز کو بھی افسوسناک قرار دیا ہے۔ یہاں مصنف چاہتے ہیں کہ حکومت مداخلت کر کے ایک بورڈ تشکیل دے اور مدارس کی فرقہ ورانہ تقسیم کو ختم کرے۔

اس نظام تعلیم (سکول سسٹم) سے نکلنے والا ذہن متذبذب ہوتا ہے۔ اس کے اندر اسلامی تہذیب کے حوالے سے شک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ وہ دینی تصورات کے بارے میں بھی مکمل آگاہی سے محروم ہوتے ہیں اس لیے وہ مغربی تہذیب اور اس کی اصطلاحات میں اسلامی تصورات کو تلاش کرتے ہیں جیسے کہ "اسلامی جمہوریت" یا "اسلامی سوشلزم" وغیرہ۔ وہ سائنس کو حاکم مان لیتے ہیں اور غیر سائنسی علوم کو اہمیت نہیں دیتے جو اسلام کا حکم سمجھ نہ آئے اس کو ضعیف الاعتقادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسے ہی قرآن مجید کو سائنس کی نظر سے دیکھنے کا رجحان بھی اس ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ علم و تحقیق میں مغربی معیار کو ہی درست مانتے ہیں اور مستشرقین کی اسلام کے حوالے سے تحقیقات کو ہی حرف آخر سمجھتے ہیں۔

مصنف نے تصوف کے کردار پر بھی بحث کی ہے اور اس کا دفاع کیا ہے اور اس خیال کو غلط قرار دیا ہے کہ تصوف دور زوال کی پیداوار ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ تصوف پہلی صدی جبکہ مسلمانوں کا عروج تھا تب کی پیداوار ہے۔ یہ

مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ یہ دور زوال میں آیا۔ البتہ تصوف سے مراد تزکیہ و تطہیر ہے لیکن متذبذب ذہن سمجھتا ہے کہ تصوف سے مراد وحدت ادیان اور وہ ایرانی وہندی تصوف اور اسلامی تصوف میں کوئی فرق نہیں سمجھتا

یہ کتاب جنرل پرویز مشرف کے دور میں لکھی گئی تو اس لیے مصنف میرا تھان، بسنت، نیو ایئر نائٹ اور ویلنٹائن ڈے کے نام پر جو مغرب کے تہذیبی وار تھے ان کے حوالے سے آگاہ کیا ہے کہ یہ ان کے نظام فکر کے نفوذ کے راستے اور اثرات ہیں۔ مصنف نے مجموعی طور پر کھیلوں کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ مغربی تہذیب کے مظاہر میں سے ہیں جہاں پورا پورا دن کھیل چلتا رہتا ہے اور تماشائی جن میں پردے کا انتظام نہیں ہوتا تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں۔ مصنف کہتے ہیں کہ اسلام تفریح سے منع نہیں کرتا لیکن اسلام کی تفریح کی وہ شکل ہرگز نہیں جو موجودہ کھیلوں میں پائی جاتی ہے۔

اس وقت امریکہ نے عراق اور افغانستان پر قبضہ کیا ہوا تھا تو اس بارے میں مصنف نے لکھا کہ یہ توسیع پسندی دراصل استعمار کا پرانا ہتھکنڈا ہے۔ جو بھی مسلم ملک یا راہنما ان کی مرضی سے نہیں چلتا یہ اس کو راستہ سے ہٹا دیتے ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خان محصور تھے اور میاں نواز شریف جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تو مصنف نے ڈاکٹر خان کی محصوری اور میاں نواز شریف کی جلاوطنی اور بھٹو صاحب کی پھانسی کی وجہ ایٹم بم کو قرار دیا۔ ڈاکٹر خان صاحب اور بھٹو صاحب کی حد تو اتفاق ہے لیکن میاں صاحب کی جلاوطنی کی وجہ ہرگز ایٹمی دھماکے نہیں تھے۔ ان کی فوجی قیادت سے لڑائی تھی اور پھر وہ اپنی مرضی سے ڈیل کر کے ملک چھوڑ کر گئے تھے

مصنف نے عدالتی نظام پر بھی گفتگو کی ہے کہ اسلامی فقہ میں سائلین کو جلد انصاف ملتا تھا۔ جبکہ انگریزی قانون میں پروسیجر کے نام پر عام سے عام مقدمات کو لمبے عرصے کے لیے لٹکایا جاتا ہے۔ پھر وکالت کا ایک پورا شعبہ اس پر کھڑا کر دیا گیا ہے جو کہ اس انگریزی نظام کی پیداوار ہے۔ اب حصول انصاف کے لیے جہاں لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے وہاں وکیلوں کی بھاری فیسوں اور اسٹام پیپر اور کاغذات کے نام پر اس کو مہنگا بھی کر دیا گیا ہے۔

مصنف نے یہاں بھی جمہوریت پر تنقید کی ہے اور ساتھ ہی آمریت کو بھی خلاف اسلام کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیشک صدام حسین کی آمریت غلط تھی مگر عراق پر امریکہ کی قائم کردہ جمہوریت اس سے بھی بڑا ظلم ہے۔ انہوں نے لکھا کہ موجودہ جمہوری نظام مجبور کرتا ہے کہ بندہ مکمل طور پر سب کام چھوڑ کر اپنے آپ کو سیاست کے لیے وقف کر دے۔ یہ بھی غلط روش ہے۔ اس سے فقط ایک خاص طبقہ اوپر آسکتا ہے جو مالی طور پر خوشحال ہو بلکہ اپر کلاس سے ہو۔

سودی نظام معیشت بھی ایک بڑا وار ہے اور یہ نظام مسلم ممالک میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اب لوگوں کے ذہن سے اس کی قباحت ہی ختم ہو گئی ہے۔ پھر سود کا نام انٹرسٹ رکھ کر انڈسٹریل لون کو ربا سے الگ کر کے اس کے جواز کے حیلے پیش کیے گئے ہیں.

مصنف نے پتنگ اور ڈور بیچنے، حجامات جبکہ وہ شیو کرتے ہوں، بیوٹی پارلرز، اسقاط حمل کے کلینکوں، فوٹو گرافی، بینک اور انشورنس کمپنی کی ملازمت کو ناجائز کاروبار کہا ہے۔ مصنف کو یہاں تخصیص کرنی چاہیے تھی کہ یہ کاروبار کس صورت میں جائز ہیں کیونکہ ان میں سے کئی نوعیتیں ایسی ہیں جن پر ناجائز ہونے کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔ مثلاً بیوٹی پارلر کے کاروبار کو مکمل طور پر کیسے غلط قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی فوٹو گرافی میں بھی کئی ایسی صورتیں ہیں جو جواز رکھتی ہیں۔ محض تفریح کی خاطر پتنگ اڑانا جبکہ اس کے ساتھ احتیاط کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہو کو ناجائز قرار دینا میرے نزدیک اس میں اصلاح کی گنجائش ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ مغربی تہذیب کا اثر مسلم معاشرے پر اس حد تک پڑا کہ جو لوگ شعوری طور پر فکر مغرب کے خلاف تھے غیر شعوری طور پر اسی فکر و تہذیب سے متاثر ہوئے۔ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد کا ہندوؤں سے اشتراک ہو، علامہ عنایت اللہ مشرقی کا خلافت ارضی کے مغرب کی صالحیت کا اقرار اور مدح، علامہ اقبال کا سنت سے اعراض کرتے ہوئے نئی فقہ کی تدوین، مولانا الیاس کاندھلوی کی تبلیغی جماعت کی تحریک جو کہ دنیاوی معاملات سے اعتنا ہی نہیں کرتے اس کے ساتھ سید مودودی کی نے جو دین کو ایک نظام اور تحریک بنا کر پیش

03204815186

کیا یہ سب مغربیت کے نفاذ کی صورتیں ہیں۔ مولانا مودودی کے تحریکی تصور پر ڈاکٹر امین صاحب نے اور بھی دو تین جگہ نقد کیا ہے۔ اور ان کا کہنا کہ نبی کا مقصد ایک سیاسی نظام کرنا ہوتا ہے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس بات نے مجموعی طور پر اسلامی تہذیب کے لیے اچھی یادداشت نہیں چھوڑیں۔

ڈاکٹر امین صاحب نے ذرائع ابلاغ کے اوپر بھی بات کی ہے اور بتایا کہ ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا بالکل مغربی طرز پر چل رہا ہے اور یہ اس کی پیروی میں روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ یہاں پر ڈراموں، فلموں اور میوزک کنسرٹس کے ذریعے اغیار کی تہذیب کو اپنالیا گیا ہے۔ ہمارا میڈیا بالخصوص بھارت کا نقال ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ گویوں اور میراثیوں کو اب فنکار اور گلوکار کہہ کر پکارا جاتا ہے اور ان کو قابل عزت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر کوئی غیر پیشہ ور کسی موقع پر کوئی گانا گائے تو یہ اور بات ہے مگر اب پیشہ ور لوگوں کو فن کے نام پر ایوارڈز دیئے جاتے ہیں اور اس کو برا سمجھنے والوں کو دقیانوسی سوچ کہا جاتا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ضروری ہے پاکستانی میڈیا بھارت کی پیروی چھوڑ دے اور اپنی تہذیب وثقافت کو فروغ دے۔

مغربی تہذیب کے اثرات کا جائزہ لینے کے بعد کہ اس کا حل کیا ہے اس پر ڈاکٹر صاحب نے وہ ہی بات کی جو وہ پہلے حصے میں کر چکے ہیں کہ ہمیں مکمل طور پر اپنے نظریہ حیات سے جڑنا ہو گا۔ ہم نے اپنا نظریہ چھوڑ کر غیر کا تہذیب و تمدن قبول کیا ہے جس کی وجہ سے ہم زوال کا شکار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا موقف سخت گیر ہے اور ہمیں کئی جگہ ان کی شدت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو اس بات کی داد بنتی ہے کہ انہوں نے اپنی بات کسی معذرت خواہانہ انداز میں نہیں کی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی بھی معاشرہ موجود نہیں جو کہ اسلامی نظریہ حیات جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے بار بار زور دیا موجود نہیں ہے۔ اب ایسی کسی عملی مثال کے بغیر ہم کیسے کوئی متبادل پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو کسی گاؤں دیہات میں بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس کو ہم رول ماڈل بنا کر پیش کریں۔ پھر اگر مسلم معاشرے سے مغربیت کا نفوذ ختم کرنا ہے تو اس کے لیے کہاں سے ابتداء کرنی ہو گی اور کون سی چیزوں کو ہمیں برداشت کرنا ہو گا۔ اس سماج کی بنت کیسے ہو گی اس کا نظام

03204815186

زندگی کیسا ہوگا۔ یہ سب ذہنی خیالات سے بڑھ کر جب تک عملی صورتحال اختیار نہیں کرتیں اس وقت تک اس کا حل نہیں نکل سکتا۔ ڈاکٹر صاحب روایتی موقف کے مؤید ہیں تو انہیں موجودہ صورتحال سے امکانات پر بات کرنی چاہیے کہ کیسے جدیدیت کے مضر اثرات سے نکل کر ہم اپنی روایت کو محفوظ کر سکتے ہیں اور جو چیزیں جدیدیت نے متاثر کی ہیں ان کو واپس لا کر ایسی صورت میں پیش کرنا تا کہ وہ ہمارے لیے نا قابل عمل نہ رہے۔

یہ کتاب ۲۰۰۵ میں لکھی گئی تھی اب اس کو ۱۸ سال گزر چکے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا معاشرتی ڈھانچہ اس سے زیادہ مغرب زدہ ہو چکا ہے اور بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس مغربیت کو روکنا یا اپنے حق میں کرنا ہی اس وقت کا مسئلہ ہے۔ اگر تو آپ مثالی معاشرے کے بغیر یہ کام نہیں کر سکتے تو فی الحال اس کا مستقبل قریب میں تو کوئی حل نظر نہیں آرہا کہ اس کو کیسے روکا جائے۔ ہاں افغانستان میں حکومت کی تبدیلی کے بعد ایک بار پھر وہ لوگ آگئے ہیں جو کہ ڈاکٹر صاحب کی فکر سے اتفاق کرتے ہیں لیکن اب ان کے ہاں بھی پہلے جیسے سختی نہیں رہی لیکن اگر وہ کوئی ایسا سماجی ڈھانچہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس کے امکانات بہت ہی زیادہ کم ہیں تو پھر ہمارے پاس متبادل موجود ہو گا لیکن اس کے لیے ابھی چند سال مزید انتظار کرنا ہو گا۔

عصری تہذیب کے مسلمانوں پر منفی اور مثبت اثرات:

مغربی تہذیب اپنے علم سے اور دیگر ارتقائی قوتوں سے بعض ایسی منزلوں تک جا پہنچی ہے جن منزلوں کی ہم سب کو بحیثیت سماجی انسان ضرورت ہے۔ اس کی مذہبی انسانوں کو بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی لادین انسانوں کو. مغرب للہ کے نظام فطرت میں جتنی پیش رفت کر چکا ہے اور معاصر دنیا فطری اور انسانی دائرہ کار میں جہاں تک پہنچی ہوئی ہے، اس کا نہ تو انکار ممکن ہے اور نہ ہی اس سے اصولی اجتناب کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ اس وقت مغرب انسانی ضروریات سے لے کر انسانی آئیڈیلز کی صورتگری پر واحد حکمران ہے اور عملی صورت یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن کو

@03204815186

بنانا چاہیں گے تو اس کی تعمیر کا بھی سارا سامان وہیں سے لینا ہو گا. آپ اپنی دنیا کو بنانا چاہیں گے تو دنیا کو چلانے، قائم کرنے اور محفوظ رکھنے کا سامان بھی اور تصورات بھی وہیں سے لینا تو دور کی بات، دنیا اس کی عادت ڈال چکی ہے اب اس سے انکار نہیں یہ تو واقعہ کا انکار ہے. میں اگر حب اسلام میں چنگیز خان کو ٹی بی کا مریض کہہ بھی دوں تو یہ بات ممکن ہے کہ میرے کسی جذبہ کی تسکین ہو جائے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

انسانیت کی گاڑی جو منازل طے چکی ہے، قطع نظر اس کے کہ اسٹیرنگ پر کون بیٹھا ہوا ہے، ہم منزل کا انکار کر کے بس سے نکلنے کا شور نہیں مچا سکتے۔ یہ غیر انسانی بھی ہو گا اور غیر اسلامی بھی اب بات یہ ہے کہ مغرب میں ہمیں بلاشبہ بہت بڑی بڑی منزلوں تک پہنچا دیا ہے اور ان پر اپنا حق ملکیت جتائے بغیر مذہب نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ ان کی بیشتر چیزیں چیزوں کی طرح نہیں اس پر انہوں نے اپنا کاپی رائٹ نہیں رکھا ہے اور انسانیت کے سپرد **patent** ایسی ہیں جو کر دیا ہے۔ وہ یہ سب ہمیں ماننا بھی پڑے گا اور اس سب پر ہمیں احسان مند بھی ہونا پڑے گا میرے خیال میں اس کے خلاف کوئی بھی رائے غیر دینی ہے۔ اب مسئلہ پیدا یہاں سے ہوتا ہے کہ مغرب کی بس نے ہمیں ایبٹ آباد پہنچا دیا اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ بیٹھے ہیں۔ بس گویا کل انسانیت کو سفر کے لئے ورثے میں ملی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہر زمانے میں کوئی ایک تہذیب ہوتی ہے لیکن میں بحثیت مسلمان اب ایبٹ آباد پہنچ کر ڈرائیور کی مرضی سے آزاد ہوں۔ ایبٹ آباد پہنچ کر میں ہوٹل کا پتہ ڈرائیور سے نہیں پوچھوں گا۔ اب اپنے کھانے کا مینیو اس سے نہیں لوں گا. اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب نے دنیا کو جو کچھ دیا ہے اس کو قبول کرتے وقت ایک بائنڈنگ رویہ ضرور اختیار کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہئے کہ ان میں سے کون سی چیزیں میرے دینی وجود سے متصادم ہیں؟ ان کو مجھے چھوڑنا ہو گا اور پھر مجھے انسانی تہذیب میں خدا کے انکار کی ضرورت کو مغرب میں ڈال دیا ہے مجھے مغرب سے جنگوں میں نہیں لڑنا ہے۔ مغرب اگر میرے لیے خطرہ ہے مغرب میرے لیے اللہ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے. مغرب نے میرے لیے جو خطرہ پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے اخلاقی سماجی معاشی علمی وجود کی

سے نکلنا ہے، **paradigm** تشکیل کے عمل میں خدا کو رکاوٹ بنا کر خارج کر دیا ہے۔ اب مجھے اس پورے **paradigm** کا احیاء کرنا ہے کہ نہیں خدا کو مرکز میں اس سے لڑنے کی ضرورت پڑی تو لڑنا ہے اور اس رکھے بغیر خدا کو زندگی کی ساری حرکت کا مرکز اور منتہا بنائے بغیر انسان اپنی اخلاقی تہذیبی اور کسی طرح کے یونیورسل مطالبات پورے نہیں کر سکتا۔ ہم یہ جواب دینے میں ناکام ہیں یہ جواب فی الحال ہمارے حافظے ہی تک محدود ہے لیکن یہ جواب ایسا ہے کہ مغرب جس دلیل پر خدا کو باہر نکال رہا ہے اس دلیل میں اس سوال کی چھپی ہوئی ہے. اگر یہ سوال بندوق سے نہ کیا جائے بلکہ علمی انداز کے ساتھ ساتھ **appreciation** اخلاقی مظاہرے کے ساتھ کیا جائے۔ مغرب سے ہمیں کوئی اختلاف ہے جو کہ بہت اصولی اختلاف ہے، تو اس اصولی اختلاف کے خلاف ہمارا ہتھیار ان کی ایجاد کی ہوئی بندوق نہیں ہے، ہمارا ہتھیار ہمارا ایک نتیجہ خیز علم اور ہمارا وہ اخلاق جو تمہاری معاشرت کو تعمیر کر کے دکھا چکا ہوں۔ اس میں ہم مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے، فرد کی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک اپنے تصور علم پر علمی ترقی کرنا اور اپنے تصور خیر پر با اخلاق بننا ہی واحد حل ہے۔ یہ ہماری اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور اس سے ہمیں مغرب روک نہیں رہا۔ یہ کام ہم بغیر کسی خوف کے کر سکتے ہیں لیکن ہمیں ایک بری عادت پڑی ہوئی ہے کہ ہم علم کو نتیجہ خیز بنانے کی جدوجہد سے دو چار سو سال پہلے دستبردار ہو چکے ہیں ہم اخلاق کے معاشرتی ماڈلز کو دینی فریضہ بنائے رکھنے کے تصور سے عاری ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مغرب سے لڑائی کا جو اصل میدان ہے وہ ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے وہاں سے فرار ہو کر اس میدان میں مغرب سے لڑ رہے ہیں جہاں اس سے لڑنے کی اول تو ضرورت نہیں ہے اور جن لوگوں نے لڑائی چھیڑی ہوئی ہے وہ مغرب کے غلبے کو گویا اسٹیبلش کر رہے ہیں ان کے غلبے کو الٹا ایک نظریاتی جہت دے رہے ہیں اور مغرب کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اپنی بہترین انکاری صلاحیتوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں اور ایسا ہونا کئی سالوں سے شروع ہو گیا ہے۔

خدا مرکز علم خدا مرکز اخلاق چاہے یہ اپنی فارمز میں مغرب کی علمی اور اخلاقی تعلیم کے نزدیک ہے یا دور ہے اس سے بالکل بے نیاز ہو کر ہمیں یہ دو چیزیں پیدا کرنی ہیں ورنہ مغرب کا ہر غلبہ اب ہمارے لئے افت کا سبب بنے گا راحت کا نہیں۔

03204815186 صفدر خان

س:2 سیرت النبی ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کی اہمیت واضح کیجیے؟

ج:2 سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اہمیت ہر مسلمان پر واضح ہے۔ قرآنِ کریم کے بعد مسلمانوں کیلئے سب سے اہم ترین ماخذ و مصدر پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے فرمودات، اعمال اور سیرتِ طیبہ ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ تمام انسانوں کیلئے عملی نمونہ ہے جسے قرآن "اسوۂ حسنہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہیں کہ قرآن پیدائش سے وفات تک زندگی گزارنے کے احکامات کا مجموعہ ہے اور سیرتِ نبوی اس مجموعہ کی عملی تعبیر اور تصویر کا نام ہے۔ اسلامی عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرتی مسائل، انفرادی معاملات، اجتماعی مسائل، بین الاقوامی تعلقات، روابطِ عامہ، امن کے تقاضے، جنگی قوانین وغیرہ وغیرہ یہ سب سیرتِ طیّبہ کے موضوعات ہیں اور سیرتِ طیبہ میں ان تمام موضوعات کا حل موجود ہے۔ اسی وسعت اور ہمہ گیریت کی وجہ سے سیرت کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے انسان اپنے سامنے انسانیتِ کاملہ کی ایسی اعلیٰ مثال دیکھتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں کامل و مکمل نظر آتی ہے یوں مہد سے لحد تک زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ سامنے آتا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مقدس حیات کا اعجاز ہے کہ انسانی زندگی کے جس بھی پہلو کو سامنے رکھ کر سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ہر پہلو سے انسانی زندگی کا کمال رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مبارک زندگی میں نظر آتا ہے۔ سیرتِ طیبہ کی اہمیت پر مبنی مزید تین نکات پیشِ خدمت ہیں:

1: مطالعۂ سیرت نبی علیہ السلام کی زندگی سے آگہی کا ذریعہ ہے:

سیرتِ طیبہ کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے مطالعہ سے مسلمان کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دین کن مراحل سے گزرا، یعنی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے ایک مسلمان جانتا ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو کیسی خاندانی شرافت و عظمت عطا فرمائی، اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کی کردار کیسا تھا؟ بعد میں آپ کا رہن سہن کیسا تھا؟ آپ کا طرزِ زندگی کیا تھا؟ آپ کے اخلاق کیسے تھے؟ وحی کے مراحل، مدارج کیا کیا تھے؟ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے دین کی تبلیغ کس طرح سے کی؟ آپ نے تبلیغِ دین کیلئے کیسی کیسی مشقتیں جھیلیں اور کتنے مصائب برداشت کئے؟ کفار نے آپ کو روکنے کے لیے کیا کیا حکمتِ عملی اپنائی؟ اللہ کریم نے کفار کے مقابلے میں آپ کی کس طرح سے مدد فرمائی؟ آپ کے معجزات کیا تھے؟ آپ کے ساتھ مٹھی بھر جانبازوں نے بڑے بڑے لشکروں کو کیسے پچھاڑا؟ الغرض یہ ساری تفصیلات اور یہ ساری باتیں سیرتِ طیبہ کے سنہری اور مقدس اوراق کی زینت ہیں، ایک مسلمان ان معلومات سے اس وقت ہی آگاہ ہو سکتا ہے جب وہ سیرتِ طیبہ کے سنہری اوراق کا مطالعہ کرے۔

2: حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بہترین تصویر سیرتِ طیبہ:

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو ذاتِ خدا سے متعلق ہے جسے حقوقُ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ دوسرا پہلو بندوں سے متعلق ہے جسے حقوق العباد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حقوقُ اللہ میں سے اکثر کا تعلق معاد و آخرت سے ہے جبکہ حقوق العباد میں سے اکثر کا تعلق معاش اور تمدن سے ہے۔ معاد و آخرت کے ضمن میں خدا اور انسان سے متعلق تمام امور داخل ہیں جیسے عقائد، عبادات، اخروی بازپرس اور جوابدہی وغیرہ۔ جبکہ معاش اور تمدن کے تحت انسان کے انسان سے ہر طرح کے تعلقات شامل ہیں، جیسے حاکم کے محکوم سے روابط، خاوند اور بیوی کی رفاقت، باپ اور بیٹے

کا پیار، تاجر اور آجر کے معاملات، پڑوسی و رشتہ دار سے تعلق، دشمن اور دوست سے رویہ، الغرض معاشرتِ انسانی کا ہر پہلو اس ضمن میں داخل ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں معاد و آخرت اور معاش و تمدن ان دونوں پہلوؤں سے ہمہ جہت، جامع اور احسن ترین زندگی کی تصویر اگر کسی کی نظر آتی ہے تو وہ بی بی آمنہ کے لعل، رسولِ بے مثال صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی نظر آتی ہے۔ آپ پیدا ہوئے تو آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے، ظلم اور جبر کے تسلسل کا اختتام ہوا، آپ نے ہی مظلومیت اور بے بسی کو فخر و شرف کا مقام عطا کیا، آپ نے ہی تلاشِ معاش میں دیانت و صداقت سے لبریز ایک نئی روشنی دنیا بھر کو عطا فرمائی، آپ نے ہی جہالت کو شعور، ظلمت کو نور اور فکر کو گہرائی عطا فرمائی۔ میدانِ جنگ میں جہالت اور ظلم پر مبنی اقدامات کا خاتمہ آپ نے فرمایا اور رہتی دنیا کے لیے اقتدار و اختیار کے ایوانوں میں عدل و مساوات پر مبنی زندہ جاوید کردار بھی آپ ہی نے پیش کیا۔ الغرض انسانیت کو جو معراج آپ نے عطا فرمائی اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج بھی اگر انسانیت معراج کی متمنی ہے تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے تعلق اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی تعلیمات پر عمل سے ہی یہ معراج انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔

3: بنیادی مسائل کا حل سیرتِ طیبہ:

آج کے اس عہدِ جدید میں انسان نے زندگی کے بعض گوشوں میں ترقی ضرور کی ہے مگر انسان کے بنیادی مسائل اب بھی وہی ہیں جو آج سے سینکڑوں سال پہلے تھے، آج کے انسان نے جدید اشیا ایجاد کر کے زندگی کے بعض پہلوؤں کو ضرور بدل کر رکھ دیا ہے مگر انسان کی طبیعت و نفسیات اب بھی وہی ہے جو آج سے پہلے تھی۔ نفرت و عداوت، بغض و حسد، وحشت و بربریت جیسی بری عادات ہوں یا محبت و اخوت، ایثار و قربانی اور صدق و خلوص جیسی نیک عادات ہوں یہ اب بھی ویسی ہیں اور اتنی ہی ہیں ان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی انسان کا سب سے بڑا مسئلہ سکون اور اطمینان کی تلاش ہے، آج بھی انسان کا بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ دنیا میں اسے امن و امان کی فضا میسر آ جائے، آج بھی انسان

03248151862

اس خواب کی تعبیر میں ہے کہ اسے ایسا معاشرہ نصیب ہو جائے جہاں اس کے ساتھ حق تلفی نہ ہو، جہاں سب برابر ہوں، وہ جس معاشرے میں رہے وہاں لوگ اس کے مونس و غمخوار ہوں، اس معاشرے میں عدل و انصاف ہو، حریت و مساوات ہو، فرد اور معاشرے میں باہم ہم آہنگی ہو۔ یہ سب ممکن تو ہے لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی خود انسان ہی ہے، ہر انسان دوسرے انسان سے باہم مربوط ہے، ان کے آپس میں دسیوں طرح کے مختلف نوعیت کے تعلقات قائم ہیں، ہر انسان کے جذبات، احساسات، خواہشات اور ضروریات میں بھی فرق ہے، اس وجہ سے جگہ جگہ مفادات اور اغراض آپس میں ٹکراتی ہیں، ایسے میں کسی کو بھی اوپر نیچے نہ کرتے ہوئے حدِ اعتدال پر قائم رہنا اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دینا بہت نازک مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حل نہ تو سائنس دے سکتی ہے نہ ہی کسی کے افکار و خیالات، بلکہ اس کیلئے عملی نمونہ چاہیے، ایسی ذات چاہیے جس نے ایسا کر کے دکھایا ہو اور جس کے ماننے والے ایسا کر سکتے ہوں۔ اور وہ نمونہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہے۔ اسی لیے قرآنِ پاک انہیں بہترین نمونہ قرار دیتا ہے۔ تو اب دنیا میں جہاں بھی انسان موجود ہیں اور انسانی آبادی پائی جاتی ہے، وہاں اطمینان و سکون سے لبریز برابری کی زندگی کیلئے دینِ نبی کی پیروی اور سیرت الرسول کی اطاعت و اتباع لازم ہے۔

03204815186

سابقہ پرچہ 2017

س:1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س:1 ہجرتِ مدینہ کے اسباب و اثرات بیان کیجیے؟

ج:1 ہجرتِ مدینہ اسلام کی تاریخ کا وہ اہم موڑ ہے جسے طے کرنے کے بعد ایک فیصلہ کن دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اوائل اسلام میں مکہ میں مسلمانوں کا ایک الگ نظریات و اقدار کی حامل اکائی کے طور پر وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنی بقا اور استحکام کے لیے ایک پُر امن معاشرے اور خوشگوار فضا کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مصرّف القلوب اور حکیم ذات نے مکہ سے اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے مکینوں کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی اور 70 سے زائد اہل وفا نے اپنے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیعت کی اور عظیم الشّان مشن کی تکمیل کے لیے جان و مال کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ وہ وجود مسعود ﷺ کو اپنے درمیان دیکھنے کے شدید خواہش مند تھے اور آپکی برکات و عنایات سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔

دوسری طرف دشمنانِ اسلام کے ظلم و ستم اور اشاعتِ اسلام میں حائل رکاوٹوں کا سلسلہ بھی تیز سے تیز ہوتا جارہا تھا یہ سب کچھ دیکھ کر انہوں نے تاجدار رسالت مآب ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کی دعوت پیش کی اور آپ ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مہمان نوازی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نبی مکرم ﷺ نے انکی دلجوئی کے لیے بحکم خداوندی مسلمانان مکہ کو یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا تاکہ مسلمان اس قریۂ جبر سے نکل کر امن و امان کے ساتھ فریضۂ بندگی سرانجام دینے کے ساتھ تحریک اسلامی کو بھی آگے بڑھا سکیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے مسلمانانِ مکہ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: إن اللہ قد جعل لکم اخوانا و دارا تامنون بھا. یعنی بے شک اللہ تعالی نے تمہارے لئے بھائیوں اور گھر کا انتظام کر دیا ہے جہاں تم پُرامن طور پر رہ سکو گے۔ یوں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا حکم پاتے ہی مسلمانانِ مکہ، مدینہ کی طرف شاہراہِ ہجرت پر رواں دواں نظر آنے لگے۔

ہجرتِ مدینہ کے اسباب:

نبی معظم ﷺ کا مکہ معظمہ کو خیر آباد کہہ کر مدینہ منورہ چلے آنا اور چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کرنا کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ نہیں ہے۔ بقول شاعر

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ہم یہاں کتب احادیث و سیر کی روشنی میں ہجرت نبوی ﷺ کے چند اہم اسباب مختصر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اہل مکہ کی ہٹ دھرمی:

بعثت سے پہلے حضور اکرم ﷺ مکہ میں ہر دلعزیز تھے اور صادق وامین کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ تمام قریش آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کے گن گاتے تھے۔ لیکن نزول وحی کے بعد جب آپ ﷺ کو حکم ملا کہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کرو تو اکثر لوگ آپ ﷺ کے خلاف ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو پھیلانا تھا۔ ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں میں رہ کر نبوت کا یہ فرض منصبی انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

قریش کا ظلم وستم:

قریش مکہ نے صرف دین اسلام کو جھٹلانے اور توحید سے انکار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود حضور ﷺ اور انکے ساتھیوں پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں حضور ﷺ پر غلاظت پھینکنا، راستے میں کانٹے بچھانا، راہ چلتے ہوئے آوازے کسنا اور سب سے بڑھ کر معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کرنا اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تکلیفیں دینا جنکی داستان بڑی دردناک اور طویل ہے؛ ان کی بنیاد پر مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔

تبلیغ دین میں دشواری:

مکہ میں اس قسم کے حالات تھے کہ نہ تو مسلمان کھلم کھلا دین کی اشاعت کر سکتے تھے اور نہ ہی آزادی سے اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی گزار سکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ طائف بھی تشریف لے گئے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب دین کی نشر واشاعت کا کوئی اور مرکز تلاش کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

ہجرت کا فوری سبب:

ہجرت کا فوری سبب کفار مکہ کا آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش کی تیاری تھا۔ قریش مکہ نے ابو جہل کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک طاقتور اور تجربہ کار نوجوان چنا جائے اور ایک رات انہیں آستانہ مبارک پر متعین کر دیا جائے اور موقع پا کر یہ حضرت محمد ﷺ پر یکدم ٹوٹ پڑیں اور آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں (العیاذ باللہ) لیکن اللہ تعالی کے وعدے ”واللہ یعصمک عن الناس“ کے مطابق وہ آپ کو کسی قسم کی ایذا دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مدینہ کی طرف روانگی:

جس رات نبی آخر الزماں ﷺ اپنے آبائی وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے پرانے دوست جن کے لیل و نہار آپ کے ساتھ گزرے تھے، جو آپ ﷺ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور آپ ﷺ ان کے مزاج کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اس کٹھن سفر میں استقامت کا پہاڑ بن کر آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس تاریخی سفر میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جن سے صدق و وفا کے پیکر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی بے مثال وفا، استقامت اور صبر و تحمل کے نمونے نکھر کے سامنے آتے ہیں وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات و عنایات اور فیاضی و سخاوت سے اپنے اور بیگانے جام بھرتے نظر آتے ہیں۔ یارانِ سفر جہاں جہاں سے بھی گزرے خوشبوئیں بکھیرتے چلے گئے۔ چنانچہ ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آفرین تبدیلیوں کا دور آنے والا ہے۔ نئی صبح کے اجالوں سے منظر نامہ تحریر ہو رہا ہے۔

کتب سیر واَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

تشریف آوری کی خبر مدینے میں پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش میں چلتے پھرتے تھے کہ پیغمبر آرہے ہیں، لوگ ہر روز تڑکے سے نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، کھجوروں والی خوش نصیب بستی کا مقدر جاگ اٹھتا ہے، فضائیں درودوں سلام کی صداؤں سے معمور ہو جاتی ہیں، منتظر لوگوں کا پورا وجود اپنی آنکھوں میں سمٹ آتا ہے۔ والئ کون ومکاں اپنے ہم سفر کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت، وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق، ینادون: یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ!

یعنی مرد وزن گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب بہ آواز بلند کہہ رہے تھے:

یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ!

اپنے آقا ﷺ کی سواری دیکھ کر جاں نثاروں پر کیف ومستی کا ایک عجیب سماں طاری ہو گیا۔ اِمام رویانی کے مطابق اہالیانِ مدینہ جلوس کی شکل میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔"

معصوم بچیاں اور اَوس وخزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجا کر دل وجان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو اِن اَشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں: صحیح مسلم میں اس کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔

یہ داخلہ عجب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچّے، بوڑھے آپ ﷺ کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔ مسرت اور انبساط کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔

انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار سجائے ہوئے آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے آپ ﷺ کے جلو میں چل رہا تھا۔ ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں، ہر طرف سے یہی والہانہ اور

محبت سے بھرپور نیاز مندی کی استدعا تھی۔ لیکن حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقدر کا ستارہ چمکتا ہے اور اللہ کی جانب سے مامور اونٹنی ان کے گھر کے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔

نتائج و اثرات:

سرکار دو عالم ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مدینہ کی طرف ہجرت سے اسلام پر بہت سے نتائج و اثرات مرتب ہوئے جنہیں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

حضور کی تشریف آوری سے شہر کا ماحول ہی بدل گیا۔ پہلے یہاں کی آب وہوا صحت کے لیے سازگار نہ تھی۔ بخار اور دیگر متعدی بیماریاں وبا کی صورت میں پھوٹتی رہتی تھیں۔ پانی خوش ذائقہ نہ تھا؛ اس وجہ سے اسے یثرب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے صرف اسکا نام ہی تبدیل نہیں ہوا بلکہ آب وہوا بھی خوشگوار ہو گئی، مزاج بدل گئے، جانی دشمن باہم شیر وشکر ہو گئے۔

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے اللہ تعالی کی رضا کے لئے اپنے اہل وعیال، خویش واقارب او گھربار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دنیائے کائنات میں محبت ومودت کا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا۔ مہاجرین وانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تاکہ وطن اور اہل وعیال سے جدائی کا غم اور پریشانی انصار کی الفت اور موانست سے بدل جائے۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو، انصار نے جس طرح مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

مکہ میں سماجی لحاظ سے ایک ثقافتی اکائی کے طور پر مسلمانوں کا وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ دیگر عرب قبائل مسلمانوں کے وجود کو تسلیم بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے داخلی استحکام پر توجہ فرمائی اور اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط بنایا۔

میثاق مدینہ نے مسلم اور غیر مسلم کو ایک نظم کا پابند بنا کر شہر کے دفاع کے لئے تیار کیا۔ غیر مسلموں کا حضور ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کر لینا سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔

مدینہ منورہ میں یہود کی کافی تعداد تھی یہاں انکے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں بھی ان کی پوزیشن کافی مضبوط تھی یہ لوگ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلے میں علمی فوقیت اور امتیاز حاصل تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حسد و بغض کی آگ اور مشتعل ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہو گئی ہے اس لیے انہوں نے حق کی عداوت میں پچھلوں کی اتباع کی۔ قرآن کریم ان کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے اس لیے آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ فریقین اطمینان و سکون سے رہ سکیں اور عظیم مشن کے حصول میں رکاوٹیں کھڑی نہ ہوں۔

س:2 تعمیرِ سیرت کے نبوی منہج پر سیر حاصل گفتگو کیجیے؟

ج:2 اللہ تعالیٰ نے دینِ ہدایت کو بذریعہ "کتابِ ہدایت" دنیا پر پیش کیا۔ جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب جس طرح عرب کے ایک بدو کو مطمئن کرتی ہے اسی طرح علم و فضل کے گھواروں میں پرورش پانے والے ایک فلسفی مزاج عالم کو بھی تیقّن کی دولت سے ہمکنار کرتی ہے۔ صدیاں گزر گئیں مگر اس کتاب کے اسرار و رموز اور عجائب و لطائف کی عقدہ کشائی جاری ہے۔ الہامی علم کی یہی حیرت انگیز تاثیر تھی جس نے خواص اور عوام دونوں کو یکساں طور پر متاثر کیا۔ "سلسلۂ ہدایت و رہبری "جس طرح خواص کے لیے آسان ہے اسی طرح عوام الناس کے لیے بھی۔ مگر قرآنِ کریم نے خواص ہوں یا عوام، کسبِ ہدایت کے لیے "تقویٰ" کو شرطِ لازم قرار دیا ہے۔

قرآنِ کریم کتابِ ہدایت ہے تاہم جو محض اپنے ذوقِ علم کی تسکین کے لیے پڑھے تو اسے بھی حظِ وافر ملے گا، اور جو کچھ نہ سمجھتے ہوئے محض اس کی تلاوت ہی کرے تو اسے بھی ذوقِ سماعت کی تسکین میسر آئے گی۔ جو دوسروں کے لیے کفر کی دلیلیں ڈھونڈے گا اسے بھی حجت و برہان کے کچھ نکتے ملیں گے، اور جو اپنے مزعومات کی تائید چاہے گا اسے بھی اپنے مؤقف کے مطابق نکات میسر آئیں گے۔ جو اپنے دل کی کجی کے لیے سامانِ تسکین چاہے گا اسے بھی مایوسی نہیں ہو گی مگر قرآنِ کریم اصلاً کتاب ہدایت ہے۔ اس کا بنیادی کام ہدایت دینا ہے، وہ دل چاہیئے جو کسبِ ہدایت کے لیے مچلتا ہو۔ وہ سینہ چاہیئے جو "شرحِ صدر" کی آرزو رکھتا ہو اور وہ نظرِ عبرت پذیر چاہیئے جو اپنے لیے اذنِ الٰہی کے اشاروں کو دیکھ سکے۔ اللہ ایسے کسی فرد کو گمراہ نہیں کرتا جس کے سینے میں انکار و ضلالت کی طلب نہ ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ؁26)(البقرۃ:26))

”وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے گمراہ نہیں کرتا مگر وہ جو فاسق ہیں۔"

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ؁82)(بنی اسرائیل:82))

ہم قرآن میں سے جو اتارتے ہیں وہ ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے یہ ان کے خسارے" ”میں ہی اضافہ کرتی ہے۔

آپ قرآن کو پڑھیے پھر قرآن آپ کو جو بنا دے وہ بن جایئے، مگر شرطِ لازم یہی ہے کہ مقصدِ مطالعہ "کسبِ ہدایت” ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صدقِ دل سے ہدایت کا آرزومند ہو اور اللہ اسے گمراہ کر دے۔

قرآنِ کریم کا صدقِ دل سے مطالعہ کرنے والے پر "نزولِ قرآن” کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے "قولوا الا الٰہ الا اللہ و تفلحوا”۔ قرآن اس ایک نکتے پر کبھی سمجھوتا نہیں کر سکتا کہ اللہ کی حیثیت کو کسی مقام، کسی صورت، کسی دائرے اور کسی پیمانے پر کسی دوسری ذات میں منتقل کر دیا جائے۔

ہدایت کا دوسرا اہم مصدر جس کی نشاندہی خود اس کتابِ ہدایت نے کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ ان کی ذات مقدسہ کا انکار عین ربّ العزت کا انکار ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کتاب کو تو تسلیم کیا جائے مگر معلم کتاب کو قبول نہ کیا جائے؟ عقل و قلب کس طرح یہ باور کر سکتے ہیں کہ "کتاب” کی تشریح کا حق ہمیں

03204815860

تو حاصل ہو مگر خود معلم کتاب کو اس کا حق نہ ہو؟ وہ لوگ جو فرموداتِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کے منکر ہیں دراصل جہل وضلالت کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

ہدایت کے مصدر صرف دو ہی ہیں، قرآنِ کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم۔ قرآنِ کریم اپنی محفوظ حالت میں موجود ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کی زندگی دنیائے انسانیت کے ہر فرد کی سیرت سے زیادہ یقینی اور مدوّن شکل میں ہمارے سامنے۔ اس کے علاوہ دین کا تیسرا کوئی مصدر نہیں۔ اللہ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور جتنی اطاعتیں ہیں وہ اسی اطاعت کے تابع ہیں مستقل بالذات اطاعت کوئی نہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝59 ((

(النساء:59)

پس جب تم میں کسی امر میں کوئی تنازع ہو تو اسے اللہ اور رسول پر پیش کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر طریقہ اور اچھا نتیجہ ہے۔"

فقہی مسالک ہماری اسلامی علمیت، تاریخ و تہذیب سے بر آمد ہوئے ہیں ان کی اہمیت یقینی ہے مگر یہ مستقل دین نہیں ہیں۔ اللہ نے حق کو کتاب و سنت میں دائر کیا ہے کسی بھی فقہی مسلک میں نہیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم ہے:

03204815186

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔"(موطاء امام مالک، کتاب القدر، باب النہی عن القول "بالقدر)

فرمودات وارشادات نبوی کا مقصد اس طریقۂ عبادت کی نشاندہی ہے جس کے ذریعے انسان ربّ تعالیٰ کا قربِ مزید حاصل کرسکتا ہے۔ نیز جو ہدایت اللہ وحدہ لاشریک نے پیش کی ہے اس کی عملی تعبیر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کے پیدا کردہ معاشرے ہی میں ملے گی۔ گویا کہ یہ ایک پیمانۂ ہدایت ہے جس میں ہم اپنے اعمال کی جانچ کر سکتے ہیں۔ (سلام علیٰ نبینا واصحابہ اجمعین)۔

یہ فقہی مسالک نشانِ منزل ہیں، منزل نہیں۔ یہ چراغِ ہدایت سے پھوٹتی کرنیں ہیں خود چراغ ہدایت نہیں ہیں۔ ان ائمہ مجتہدین، محدثین عظام اور فقہائے کرام کی دینِ حق کے لیے خدمات لائق قدر وستائش ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا اجتہادِ فقہ، امام مالک کا تعامل اصحابِ مدینہ کی تدوین، امام شافعی کا اصولِ دین کا انضباط، امام احمد بن حنبل کی جمع و تدوین حدیث کی وسیع تر مساعی اور امام بخاری و دیگر ائمہ محدثین کا صحیح وضعیف احادیث میں امتیاز......... یہ سب ہماری دینی تہذیب کے وہ قیمتی خزینے ہیں، جن پر ہم جس قدر فخر کریں کم ہے اور جس سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی دستبردار نہیں ہوسکتے۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔

مگر ان میں سے کسی ایک کو قبول کرکے باقی سب کا انکار۔ انسان کی اپنی خواہش و مرضی تو ہوسکتی ہے لیکن ربّ تعالیٰ نے کسی کو اس کا مکلّف کیا ہے اور نہ ہی اس مزاجِ فکر کی تائید۔ (فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝43)(النحل:43) کے عموم کی تخصیص نہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور نہ ہی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم سے۔

0320451580

روزِ حشر نجات کے لیے ہدایت کا حصول نہایت سہل ہے۔ اسی دین کو قبول کیجئے جسے اللہ کے رسول نے پیش کیا۔ "لا ازید و الا انقص" کو اپنا دستورِ حیات بنائیے۔ قیامت کے دن اللہ کسی سے کلّی اور مسح کے مسائل نہیں پوچھے گا اور نہ ہی کسی تاریخی سانحے کے بارے میں آپ کا مؤقف دریافت کیا جائے گا۔ کون آتشِ نار کے دہکتے ہوئے انگاروں کا ایندھن بنا اور کون بہشتِ بریں کے پھولوں کا حقدار ٹھہرا، اس کی دریافت ہم سے نہیں کی جائے گی۔

1۔ جو چیز مطلوب ہے وہ ربّ تعالیٰ کی وحدانیت کا عملی و نظری اقرار ہے۔ سنّتِ رسول کا اتباع پیشِ نظر رہے تو راہ کی کئی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اگر ہم توحید کا عملی و نظری اقرار کریں اور وہ تمام امور جو اس کے منافی ہیں اس کا عملی و نظری انکار۔

2۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلیہ و سلم کو اپنا ہادی و رہبر تسلیم کریں اور ان کے فرامین و ارشادات کو دنیا کے ہر شخص کے قول پر ترجیح دیں۔

3۔ عبادات میں جن امور کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے اس کی بجا آوری کریں اور سنتوں کی حتی الوسع کوشش۔

4۔ شریعت میں جن امور کی نہی بیان کی گئی ہے، اس سے گریز کریں۔ مثلاً سود، شراب، زنا، سرقہ، رشوت وغیرہا۔

03204815186

س: 3 اسلامی تہذیب کے نمایاں خصائص کون سے ہیں۔ کسی دو پر گفتگو کیجیے؟

ج: 3 **اسلامی تہذیب کی خصوصیات:** یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزارہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئ صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کردینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیء قدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت و کرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت وترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم و حکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید وقدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق و انصاف پر مبنی ہو اور دین و عقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم و کرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

سابقہ پرچہ 2018

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 خطبہ حجتہ الوداع کی اہمیت اور اہم نکات لکھیں؟

ج: 1 خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالٰی ہے۔ (ترجمہ) ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا“۔ (پارہ 6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

0320481510

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے "حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر "حج الاسلام" اور "حج البلاغ" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہیں پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قُبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

03204851860

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد وثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ "اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو، تم میں سب سے زیادہ عزت وکرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی

پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھارلی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے"۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ ” ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا“۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ” وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض” کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ ے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے 7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبیٰ کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ ے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆انسانی جان، مال، عزت و آبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆امانت کی ادائیگی۔

☆قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆پُر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص و دّیت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشد وہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

س:2 اسلامی تہذیب کے نمایاں خصائص کون سے ہیں۔ کسی دو پر گفتگو کیجیے؟

ج:2 **اسلامی تہذیب کی خصوصیات:** یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزارہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئ صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کر دینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیء قدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت و کرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم و حکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید و قدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق و انصاف پر مبنی ہو اور دین و عقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم و کرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

س:3 تعمیرِ سیرت کے نبوی منہج پر سیر حاصل گفتگو کیجیے؟

ج:3 اللہ تعالیٰ نے دینِ ہدایت کو بذریعہ "کتابِ ہدایت" دنیا پر پیش کیا۔ جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب جس طرح عرب کے ایک بدو کو مطمئن کرتی ہے اسی طرح علم و فضل کے گھواروں میں پرورش پانے والے ایک فلسفی مزاج عالم کو بھی تیقن کی دولت سے ہمکنار کرتی ہے۔ صدیاں گزر گئیں مگر اس کتاب کے اسرار و رموز اور عجائب و لطائف کی عقدہ کشائی جاری ہے۔ الہامی علم کی یہی حیرت انگیز تاثیر تھی جس نے خواص اور عوام دونوں کو یکساں طور پر متاثر کیا۔ "سلسلۂ ہدایت و رہبری ”جس طرح خواص کے لیے آسان ہے اسی طرح عوام الناس کے لیے بھی۔ مگر قرآنِ کریم نے خواص ہوں یا عوام، کسبِ ہدایت کے لیے "تقویٰ" کو شرطِ لازم قرار دیا ہے۔

قرآنِ کریم کتابِ ہدایت ہے تاہم جو محض اپنے ذوقِ علم کی تسکین کے لیے پڑھے تو اسے بھی حظِ وافر ملے گا، اور جو کچھ نہ سمجھتے ہوئے محض اس کی تلاوت ہی کرے تو اسے بھی ذوقِ سماعت کی تسکین میسر آئے گی۔ جو دوسروں کے لیے کفر کی دلیلیں ڈھونڈے گا اسے بھی حجت و برہان کے کچھ نکتے ملیں گے، اور جو اپنے مزعومات کی تائید چاہے گا اسے بھی اپنے مؤقف کے مطابق نکات میسر آئیں گے۔ جو اپنے دل کی کجی کے لیے سامانِ تسکین چاہے گا اسے بھی مایوسی نہیں ہو گی مگر قرآنِ کریم اصلاً کتاب ہدایت ہے۔ اس کا بنیادی کام ہدایت دینا ہے، وہ دل چاہیئے جو کسبِ ہدایت کے لیے مچلتا ہو۔ وہ سینہ چاہیئے جو "شرحِ صدر ” کی آرزو رکھتا ہو اور وہ نظرِ عبرت پذیر چاہیئے جو اپنے لیے اذنِ الٰہی کے اشاروں کو دیکھ سکے۔ اللہ ایسے کسی فرد کو گمراہ نہیں کرتا جس کے سینے میں انکار و ضلالت کی طلب نہ ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ‎ 26(البقرۃ:26))

”وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے گمراہ نہیں کرتا مگر وہ جو فاسق ہیں۔"

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ‎82(بنی اسرائیل:82))

ہم قرآن میں سے جو اتارتے ہیں وہ ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے یہ ان کے خسارے "میں ہی اضافہ کرتی ہے۔"

آپ قرآن کو پڑھیے پھر قرآن آپ کو جو بنا دے وہ بن جائیے، مگر شرطِ لازم یہی ہے کہ مقصدِ مطالعہ "کسبِ ہدایت" ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صدقِ دل سے ہدایت کا آرزومند ہو اور اللہ اسے گمراہ کر دے۔

قرآنِ کریم کا صدقِ دل سے مطالعہ کرنے والے پر "نزولِ قرآن" کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے "قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ و تفلحوا"۔ قرآن اس ایک نکتے پر کبھی سمجھوتا نہیں کر سکتا کہ اللہ کی حیثیت کو کسی مقام، کسی صورت، کسی دائرے اور کسی پیمانے پر کسی دوسری ذات میں منتقل کر دیا جائے۔

ہدایت کا دوسرا اہم مصدر جس کی نشاندہی خود اس کتابِ ہدایت نے کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ ان کی ذات مقدسہ کا انکار عین ربّ العزت کا انکار ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کتاب کو تو تسلیم کیا جائے مگر معلم کتاب کو قبول نہ کیا جائے؟ عقل و قلب کس طرح یہ باور کر سکتے ہیں کہ "کتاب" کی تشریح کا حق ہمیں

03204815186

تو حاصل ہو مگر خود معلم کتاب کو اس کا حق نہ ہو؟ وہ لوگ جو فرموداتِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کے منکر ہیں دراصل جہل وضلالت کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

ہدایت کے مصدر صرف دو ہی ہیں، قرآنِ کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم۔ قرآنِ کریم اپنی محفوظ حالت میں موجود ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کی زندگی دنیائے انسانیت کے ہر فرد کی سیرت سے زیادہ یقینی اور مدوّن شکل میں ہمارے سامنے۔ اس کے علاوہ دین کا تیسرا کوئی مصدر نہیں۔ اللہ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور جتنی اطاعتیں ہیں وہ اسی اطاعت کے تابع ہیں مستقل بالذات اطاعت کوئی نہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝59))

(النساء:59)

پس جب تم میں کسی امر میں کوئی تنازع ہو تو اسے اللہ اور رسول پر پیش کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے" ہو۔ یہ بہتر طریقہ اور اچھا نتیجہ ہے۔

فقہی مسالک ہماری اسلامی علمیت، تاریخ و تہذیب سے بر آمد ہوئے ہیں ان کی اہمیت یقینی ہے مگر یہ مستقل دین نہیں ہیں۔ اللہ نے حق کو کتاب و سنت میں دائر کیا ہے کسی بھی فقہی مسلک میں نہیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم ہے:

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔" (موطاء امام مالک، کتاب القدر، باب النہی عن القول بالقدر)

فرمودات وارشادات نبوی کا مقصد اس طریقۂ عبادت کی نشاندہی ہے جس کے ذریعے انسان ربّ تعالیٰ کا قربِ مزید حاصل کر سکتا ہے۔ نیز جو ہدایت اللہ وحدہ لاشریک نے پیش کی ہے اس کی عملی تعبیر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم کے پیدا کردہ معاشرے ہی میں ملے گی۔ گویا کہ یہ ایک پیمانۂ ہدایت ہے جس میں ہم اپنے اعمال کی جانچ کر سکتے ہیں۔ (سلام علیٰ نبینا واصحابہ اجمعین)۔

یہ فقہی مسالک نشانِ منزل ہیں، منزل نہیں۔ یہ چراغِ ہدایت سے پھوٹتی کرنیں ہیں خود چراغ ہدایت نہیں ہیں۔ ان ائمہ مجتہدین، محدثین عظام اور فقہائے کرام کی دینِ حق کے لیے خدمات لائق قدر وستائش ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا اجتہادِ فقہ، امام مالک کا تعامل اصحابِ مدینہ کی تدوین، امام شافعی کا اصولِ دین کا انضباط، امام احمد بن حنبل کی جمع و تدوین حدیث کی وسیع تر مساعی اور امام بخاری و دیگر ائمہ محدثین کا صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز......... یہ سب ہماری دینی تہذیب کے وہ قیمتی خزینے ہیں، جن پر ہم جس قدر فخر کریں کم ہے اور جس سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔

مگر ان میں سے کسی ایک کو قبول کر کے باقی سب کا انکار۔ انسان کی اپنی خواہش و مرضی تو ہو سکتی ہے لیکن ربّ تعالیٰ نے کسی کو اس کا مکلّف کیا ہے اور نہ ہی اس مزاجِ فکر کی تائید۔ (فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ 43) (النحل:43) کے عموم کی تخصیص نہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور نہ ہی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم سے۔

روزِ حشر نجات کے لیے ہدایت کا حصول نہایت سہل ہے۔ اسی دین کو قبول کیجئے جسے اللہ کے رسول نے پیش کیا۔ "لا ازید و الا انقص" کو اپنا دستورِ حیات بنائیے۔ قیامت کے دن اللہ کسی سے کلّی اور مسح کے مسائل نہیں پوچھے گا اور نہ ہی کسی تاریخی سانحے کے بارے میں آپ کا مؤقف دریافت کیا جائے گا۔ کون آتشِ نار کے دہکتے ہوئے انگاروں کا ایندھن بنا اور کون بہشتِ بریں کے پھولوں کا حقدار ٹھہرا، اس کی دریافت ہم سے نہیں کی جائے گی۔

1۔ جو چیز مطلوب ہے وہ ربّ تعالیٰ کی وحدانیت کا عملی و نظری اقرار ہے۔ سنّتِ رسول کا اتباع پیشِ نظر رہے تو راہ کی کئی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اگر ہم توحید کا عملی و نظری اقرار کریں اور وہ تمام امور جو اس کے منافی ہیں اس کا عملی و نظری انکار۔

2۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلیہ و سلم کو اپنا ہادی و رہبر تسلیم کریں اور ان کے فرامین و ارشادات کو دنیا کے ہر شخص کے قول پر ترجیح دیں۔

3۔ عبادات میں جن امور کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے اس کی بجا آوری کریں اور سنتوں کی حتی الوسع کوشش۔

4۔ شریعت میں جن امور کی نہی بیان کی گئی ہے، اس سے گریز کریں۔ مثلاً سود، شراب، زنا، سرقہ، رشوت وغیرہا۔

03204815186

سابقہ پرچہ 2019

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 ہجرتِ مدینہ کے اسباب محرکات و نتائج کا تجزیہ کریں؟

ج: 1 ہجرتِ مدینہ اسلام کی تاریخ کا وہ اہم موڑ ہے جسے طے کرنے کے بعد ایک فیصلہ کن دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اوائل اسلام میں مکہ میں مسلمانوں کا ایک الگ نظریات و اقدار کی حامل اکائی کے طور پر وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنی بقا اور استحکام کے لیے ایک پُر امن معاشرے اور خوشگوار فضا کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مصرِّف القلوب اور حکیم ذات نے مکہ سے اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے مکینوں کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی اور 70 سے زائد اہل وفا نے اپنے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیعت کی اور عظیم الشّان مشن کی تکمیل کے لیے جان و مال کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ وہ وجود مسعود ﷺ کو اپنے درمیان دیکھنے کے شدید خواہش مند تھے اور آپکی برکات و عنایات سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔

دوسری طرف دشمنانِ اسلام کے ظلم و ستم اور اشاعتِ اسلام میں حائل رکاوٹوں کا سلسلہ بھی تیز سے تیز ہوتا جارہا تھا یہ سب کچھ دیکھ کر انہوں نے تاجدار رسالت مآب ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کی دعوت پیش کی اور آپ ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مہمان نوازی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نبی مکرم ﷺ نے انکی دلجوئی کے لیے بحکم خداوندی مسلمانان مکہ کو یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا تاکہ مسلمان اس قریۂ جبر سے نکل کر امن وامان کے ساتھ فریضۂ بندگی سرانجام دینے کے ساتھ تحریک اسلامی کو بھی آگے بڑھا سکیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے مسلمانانِ مکہ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اِن اللہ قد جعل لکم اخوانا ودارا تامنون بھا. یعنی بے شک اللہ تعالی نے تمہارے لئے بھائیوں اور گھر کا انتظام کر دیا ہے جہاں تم پُرامن طور پر رہ سکو گے۔ یوں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا حکم پاتے ہی مسلمانانِ مکہ، مدینہ کی طرف شاہراہِ ہجرت پر رواں دواں نظر آنے لگے۔

ہجرتِ مدینہ کے اسباب:

نبی معظم ﷺ کا مکہ معظمہ کو خیر آباد کہہ کر مدینہ منورہ چلے آنا اور چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کرنا کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ نہیں ہے۔ بقول شاعر

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ہم یہاں کتب احادیث وسیر کی روشنی میں ہجرت نبوی ﷺ کے چند اہم اسباب مختصر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اہل مکہ کی ہٹ دھرمی:

بعثت سے پہلے حضور اکرم ﷺ مکہ میں ہر دلعزیز تھے اور صادق وامین کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ تمام قریش آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کے گن گاتے تھے۔ لیکن نزول وحی کے بعد جب آپ ﷺ کو حکم ملا کہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کرو تو اکثر لوگ آپ ﷺ کے خلاف ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو پھیلانا تھا۔ ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں میں رہ کر نبوت کا یہ فرض منصبی انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

قریش کا ظلم وستم:

قریش مکہ نے صرف دین اسلام کو جھٹلانے اور توحید سے انکار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود حضور ﷺ اور انکے ساتھیوں پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں حضور ﷺ پر غلاظت پھینکنا، راستے میں کانٹے بچھانا، راہ چلتے ہوئے آوازے کسنا اور سب سے بڑھ کر معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کرنا اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تکلیفیں دینا جنکی داستان بڑی دردناک اور طویل ہے؛ ان کی بنیاد پر مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔

تبلیغ دین میں دشواری:

مکہ میں اس قسم کے حالات تھے کہ نہ تو مسلمان کھلم کھلا دین کی اشاعت کر سکتے تھے اور نہ ہی آزادی سے اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی گزار سکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ طائف بھی تشریف لے گئے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب دین کی نشر واشاعت کا کوئی اور مرکز تلاش کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

ہجرت کا فوری سبب:

ہجرت کا فوری سبب کفار مکہ کا آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش کی تیاری تھا۔ قریش مکہ نے ابو جہل کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک طاقتور اور تجربہ کار نوجوان چنا جائے اور ایک رات انہیں آستانہ مبارک پر متعین کر دیا جائے اور موقع پا کر یہ حضرت محمد ﷺ پر یکدم ٹوٹ پڑیں اور آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں (العیاذ باللہ) لیکن اللہ تعالی کے وعدے "واللہ یعصمک عن الناس" کے مطابق وہ آپ کو کسی قسم کی ایذا دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مدینہ کی طرف روانگی:

جس رات نبی آخر الزماں ﷺ اپنے آبائی وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے پرانے دوست جن کے لیل و نہار آپ کے ساتھ گزرے تھے، جو آپ ﷺ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور آپ ﷺ ان کے مزاج کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اس کٹھن سفر میں استقامت کا پہاڑ بن کر آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس تاریخی سفر میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جن سے صدق و وفا کے پیکر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی بے مثال وفا، استقامت اور صبر و تحمل کے نمونے نکھر کے سامنے آتے ہیں وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات و عنایات اور فیاضی و سخاوت سے اپنے اور بیگانے جام بھرتے نظر آتے ہیں۔ یارانِ سفر جہاں جہاں سے بھی گزرے خوشبوئیں بکھیرتے چلے گئے۔ چنانچہ ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آفرین تبدیلیوں کا دور آنے والا ہے۔ نئی صبح کے اجالوں سے منظر نامہ تحریر ہو رہا ہے۔

کتب سیر واَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

تشریف آوری کی خبر مدینے میں پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش میں چلتے پھرتے تھے کہ پیغمبر آ رہے ہیں، لوگ ہر روز تڑکے سے نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، کھجوروں والی خوش نصیب بستی کا مقدر جاگ اٹھتا ہے، فضائیں درودوں سلام کی صداؤں سے معمور ہو جاتی ہیں، منتظر لوگوں کا پورا وجود اپنی آنکھوں میں سمٹ آتا ہے۔ والئ کون و مکاں اپنے ہم سفر کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت، و تفرق الغلمان والخدم فی الطرق، ینادون: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!

یعنی مرد و زن گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب بہ آواز بلند کہہ رہے تھے:

یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!

اپنے آقا ﷺ کی سواری دیکھ کر جاں نثاروں پر کیف و مستی کا ایک عجیب سماں طاری ہو گیا۔ اِمام رویانی کے مطابق اہالیانِ مدینہ جلوس کی شکل میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔"

معصوم بچیاں اور اَوس و خزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجا کر دل و جان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو اِن اَشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں: صحیح مسلم میں اس کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔

یہ داخلہ عجب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچّے، بوڑھے آپ ﷺ کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔ مسرت اور انبساط کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔

انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار سجائے ہوئے آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے آپ ﷺ کے جلو میں چل رہا تھا۔ ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں، ہر طرف سے یہی والہانہ اور

محبت سے بھرپور نیاز مندی کی استدعا تھی۔ لیکن حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقدر کا ستارہ چمکتا ہے اور اللہ کی جانب سے مامور اونٹنی ان کے گھر کے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔

نتائج واثرات:

سرکار دوعالم ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مدینہ کی طرف ہجرت سے اسلام پر بہت سے نتائج واثرات مرتب ہوئے جنہیں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

حضور کی تشریف آوری سے شہر کا ماحول ہی بدل گیا۔ پہلے یہاں کی آب وہوا صحت کے لیے سازگار نہ تھی۔ بخار اور دیگر متعدی بیماریاں وبا کی صورت میں پھوٹتی رہتی تھیں۔ پانی خوش ذائقہ نہ تھا؛ اس وجہ سے اسے یثرب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے صرف اسکا نام ہی تبدیل نہیں ہوا بلکہ آب وہوا بھی خوشگوار ہوگئی، مزاج بدل گئے، جانی دشمن باہم شیر وشکر ہوگئے۔

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے اللہ تعالی کی رضا کے لئے اپنے اہل وعیال، خویش واقارب اوگھربار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دنیائے کائنات میں محبت ومودت کا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا۔ مہاجرین وانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تاکہ وطن اور اہل وعیال سے جدائی کا غم اور پریشانی انصار کی الفت اور موانست سے بدل جائے۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو، انصار نے جس طرح مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

مکہ میں سماجی لحاظ سے ایک ثقافتی اکائی کے طور پر مسلمانوں کا وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ دیگر عرب قبائل مسلمانوں کے وجود کو تسلیم بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے داخلی استحکام پر توجہ فرمائی اور اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط بنایا۔

میثاق مدینہ نے مسلم اور غیر مسلم کو ایک نظم کا پابند بنا کر شہر کے دفاع کے لئے تیار کیا۔ غیر مسلموں کا حضور ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کر لینا سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔

مدینہ منورہ میں یہود کی کافی تعداد تھی یہاں انکے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں بھی ان کی پوزیشن کافی مضبوط تھی یہ لوگ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلے میں علمی فوقیت اور امتیاز حاصل تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حسد و بغض کی آگ اور مشتعل ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہو گئی ہے اس لیے انہوں نے حق کی عداوت میں پچھلوں کی اتباع کی۔ قرآن کریم ان کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے اس لیے آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ فریقین اطمینان و سکون سے رہ سکیں اور عظیم مشن کے حصول میں رکاوٹیں کھڑی نہ ہوں۔

س:2 مطالعہ سیرت کی اہمیت پر مفصل نوٹ لکھیں؟

ج:2 آپ انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کوئی دور دور تک ان کو پڑھانے والا نظر نہیں آئے گا، انبیاء علیہم السلام کو تمام معلومات اور تمام رہنمائیاں براہ راست اللہ تعالی کی جانب سے ملتی ہیں، اور اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں کبھی دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے، کبھی فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے، کبھی کسی اور ذریعہ سے (خواب وغیرہ کی صورت میں) بات بتلائی جاتی ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام دنیا والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں کہ زندگی ایسے گذارو۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا

لَقَدُ کَانَ لَکُمُ فِیِ رَسُولِ اللّٰہِ آسوۃ حسنۃ (القرآن)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، انسانی زندگی کے لیے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانیت اپنے آپ کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ ایک چمکتا ہوا راستہ ہے، جو زندگی کی مشکلات اور تاریکی میں سے راستہ روشن کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی تقلید کرتے ہوئے، ہم اپنی ذاتی زندگیوں اور سماجی تعاملات دونوں میں روشنی پا سکتے ہیں۔

03204815186

آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ اپنی ذاتی زندگی میں اور معاشرے میں اپنے میل جول میں لے کر مشکلات آسان کر سکتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہم دن رات سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اکثر انہیں محض کہانیوں کے طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہم اپنی عملی زندگی کے لیے ان سے سبق حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے موجودہ حالات کو ان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ سیرت النبی ﷺ کے واقعات جو ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں، حکمت اور ہدایت کے پوشیدہ خزانوں کی مانند ہیں۔ وہ قیمتی جواہرات اور موتی ہیں، اور یہ ہماری عملی زندگیوں کے لیے قیمتی اسباق رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے، ہم اکثر ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اس بات کا احساس نہیں کرتے کہ وہ ہماری زندگی سے کتنے متعلقہ ہیں۔ درحقیقت پوری سیرت اس لائق ہے کہ ہمارے اعمال اور فیصلوں پر عمل کیا جائے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دنیا کے مختلف پہلوؤں کو جانتے ہیں، گناہوں کی کہانیاں ہمارے ذہنوں میں جمی رہی ہیں۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جو کبھی ہمارے ذہنوں سے مٹ نہ سکے، اور آج کے دور میں ٹیلی ویژن اور فلموں کا زمانہ ہے، جس سے چھوٹے بچوں کو پوری تفصیل کے ساتھ کہانیاں یاد ہیں۔ لیکن کیا اس جیسی اہمیت ہم سیرت النبی ﷺ کو دیتے ہیں؟ نہیں، بلکہ سیرت النبی ﷺ کے حالات و واقعات یاد نہیں ہیں۔

سیرت النبی ﷺ کو ہم نے نظر سے گزار دیا ہے، اور پیغمبر ﷺ ہماری زندگی سے بہت کم منسلک ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے ایک سوچنے کی بات ہے۔

ہمیں پیغمبر ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق مد نظر رکھنا چاہیئے، اور ان کے اقوال اور اعمال کو اپنی زندگی میں عملی شکل دینی چاہیئے۔ پیغمبر ﷺ کی سنتوں کو ہمیں اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیئے تاکہ ہمیں ان کے رہنماؤں پر عمل کرنے کی راہ ملے۔

پیغمبر ﷺ کے حالات اور سنتوں کو اپنے گھروں میں زندہ رکھنا ہماری زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے، اور ہمیں ان کے عظیم اخلاقی اصولوں کا احترام کرنا چاہیئے۔

03204815186

س: 3 اسلامی تہذیب کے نمایاں خصائص کون سے ہیں۔ کسی دو پر گفتگو کیجیے؟

ج: 3 **اسلامی تہذیب کی خصوصیات:** یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزار ہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئی صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کر دینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیءقدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت و کرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم و حکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید و قدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق و انصاف پر مبنی ہو اور دین و عقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم و کرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

سابقہ پرچہ 2020

س:1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س:1 ہجرتِ مدینہ کے اسباب و اثرات بیان کیجیے؟

ج:1 ہجرتِ مدینہ اسلام کی تاریخ کا وہ اہم موڑ ہے جسے طے کرنے کے بعد ایک فیصلہ کن دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اوائل اسلام میں مکہ میں مسلمانوں کا ایک الگ نظریات و اقدار کی حامل اکائی کے طور پر وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنی بقا اور استحکام کے لیے ایک پُر امن معاشرے اور خوشگوار فضا کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مصرّف القلوب اور حکیم ذات نے مکہ سے اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے مکینوں کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی اور 70 سے زائد اہل وفا نے اپنے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیعت کی اور عظیم الشّان مشن کی تکمیل کے لیے جان و مال کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ وہ وجود مسعود ﷺ کو اپنے درمیان دیکھنے کے شدید خواہش مند تھے اور آپکی برکات و عنایات سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔

دوسری طرف دشمنانِ اسلام کے ظلم وستم اور اشاعتِ اسلام میں حائل رکاوٹوں کا سلسلہ بھی تیز سے تیز ہوتا جارہا تھا یہ سب کچھ دیکھ کر انہوں نے تاجدار رسالت مآب ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کی دعوت پیش کی اور آپ ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مہمان نوازی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نبی مکرم ﷺ نے انکی دلجوئی کے لیے بحکم خداوندی مسلمانان مکہ کو یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا تاکہ مسلمان اس قریۂ جبر سے نکل کر امن وامان کے ساتھ فریضۂ بندگی سرانجام دینے کے ساتھ تحریک اسلامی کو بھی آگے بڑھا سکیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے مسلمانانِ مکہ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اِن اللہ قد جعل لکم اخوانا ودارا تامنون بھا. یعنی بے شک اللہ تعالی نے تمہارے لئے بھائیوں اور گھر کا انتظام کر دیا ہے جہاں تم پُرامن طور پر رہ سکو گے۔ یوں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا حکم پاتے ہی مسلمانانِ مکہ، مدینہ کی طرف شاہراہِ ہجرت پر رواں دواں نظر آنے لگے۔

ہجرتِ مدینہ کے اسباب:

نبی معظم ﷺ کا مکہ معظمہ کو خیر آباد کہہ کر مدینہ منورہ چلے آنا اور چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کرنا کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ نہیں ہے۔ بقول شاعر

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ہم یہاں کتب احادیث وسیر کی روشنی میں ہجرت نبوی ﷺ کے چند اہم اسباب مختصر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اہل مکہ کی ہٹ دھرمی:

بعثت سے پہلے حضور اکرم ﷺ مکہ میں ہر دلعزیز تھے اور صادق وامین کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ تمام قریش آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کے گن گاتے تھے۔ لیکن نزول وحی کے بعد جب آپ ﷺ کو حکم ملا کہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کرو تو اکثر لوگ آپ ﷺ کے خلاف ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو پھیلانا تھا۔ ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں میں رہ کر نبوت کا یہ فرض منصبی انجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔

قریش کا ظلم وستم:

قریش مکہ نے صرف دین اسلام کو جھٹلانے اور توحید سے انکار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود حضور ﷺ اور انکے ساتھیوں پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں حضور ﷺ پر غلاظت پھینکنا، راستے میں کانٹے بچھانا، راہ چلتے ہوئے آوازے کسنا اور سب سے بڑھ کر معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کرنا اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تکلیفیں دینا جنکی داستان بڑی دردناک اور طویل ہے؛ ان کی بنیاد پر مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔

تبلیغ دین میں دشواری:

مکہ میں اس قسم کے حالات تھے کہ نہ تو مسلمان کھلم کھلا دین کی اشاعت کر سکتے تھے اور نہ ہی آزادی سے اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی گزار سکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ طائف بھی تشریف لے گئے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب دین کی نشرواشاعت کا کوئی اور مرکز تلاش کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

ہجرت کا فوری سبب:

ہجرت کا فوری سبب کفار مکہ کا آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش کی تیاری تھا۔ قریش مکہ نے ابو جہل کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک طاقتور اور تجربہ کار نوجوان چنا جائے اور ایک رات انہیں آستانہ مبارک پر متعین کر دیا جائے اور موقع پا کر یہ حضرت محمد ﷺ پر یکدم ٹوٹ پڑیں اور آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں (العیاذ باللہ) لیکن اللہ تعالی کے وعدے "واللہ یعصمک عن الناس" کے مطابق وہ آپ کو کسی قسم کی ایذا دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مدینہ کی طرف روانگی:

جس رات نبی آخر الزماں ﷺ اپنے آبائی وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے پرانے دوست جن کے لیل و نہار آپ کے ساتھ گزرے تھے، جو آپ ﷺ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور آپ ﷺ ان کے مزاج کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اس کٹھن سفر میں استقامت کا پہاڑ بن کر آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس تاریخی سفر میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جن سے صدق و وفا کے پیکر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی بے مثال وفا، استقامت اور صبر و تحمل کے نمونے نکھر کے سامنے آتے ہیں وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات و عنایات اور فیاضی و سخاوت سے اپنے اور بیگانے جام بھرتے نظر آتے ہیں۔ یارانِ سفر جہاں جہاں سے بھی گزرے خوشبوئیں بکھیرتے چلے گئے۔ چنانچہ ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آفرین تبدیلیوں کا دور آنے والا ہے۔ نئی صبح کے اجالوں سے منظر نامہ تحریر ہو رہا ہے۔

کتب سیر واَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

تشریف آوری کی خبر مدینے میں پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش میں چلتے پھرتے تھے کہ پیغمبر آرہے ہیں، لوگ ہر روز تڑکے سے نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، کھجوروں والی خوش نصیب بستی کا مقدر جاگ اٹھتا ہے، فضائیں درودوں سلام کی صداؤں سے معمور ہو جاتی ہیں، منتظر لوگوں کا پورا وجود اپنی آنکھوں میں سمٹ آتا ہے۔ والئی کون ومکاں اپنے ہم سفر کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

!فصعد الرجال والنساء فوق البیوت، وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق، ینادون: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ

یعنی مرد وزن گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب بہ آواز بلند کہہ رہے تھے:

!یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ

اپنے آقا ﷺ کی سواری دیکھ کر جاں نثاروں پر کیف ومستی کا ایک عجیب سماں طاری ہو گیا۔ اِمام رویانی کے مطابق اہالیانِ مدینہ جلوس کی شکل میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔"

معصوم بچیاں اور اَوس وخزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجا کر دل وجان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو اِن اَشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں: صحیح مسلم میں اس کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا

مِن ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا

مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

أَیُّھَا الْمَبْعُوثُ فِینَا

جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔

یہ داخلہ عجب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچّے، بوڑھے آپ ﷺ کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔ مسرت اور انبساط کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔

انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار سجائے ہوئے آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے آپ ﷺ کے جلو میں چل رہا تھا۔ ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں، ہر طرف سے یہی والہانہ اور

محبت سے بھرپور نیاز مندی کی استدعا تھی۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقدر کا ستارہ چمکتا ہے اور اللہ کی جانب سے مامور اونٹنی ان کے گھر کے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔

نتائج واثرات:

سرکار دوعالم ﷺ اور آپکے جانثار ساتھیوں کی مدینہ کی طرف ہجرت سے اسلام پر بہت سے نتائج واثرات مرتب ہوئے جنہیں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

حضور کی تشریف آوری سے شہر کا ماحول ہی بدل گیا۔ پہلے یہاں کی آب وہوا صحت کے لیے سازگار نہ تھی۔ بخار اور دیگر متعدی بیماریاں وبا کی صورت میں پھوٹتی رہتی تھیں۔ پانی خوش ذائقہ نہ تھا؛ اس وجہ سے اسے یثرب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے صرف اسکا نام ہی تبدیل نہیں ہوا بلکہ آب وہوا بھی خوشگوار ہو گئی، مزاج بدل گئے، جانی دشمن باہم شیر وشکر ہو گئے۔

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے اللہ تعالی کی رضا کے لئے اپنے اہل وعیال، خویش واقارب اوگھربار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دنیائے کائنات میں محبت ومودت کا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا۔ مہاجرین وانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تاکہ وطن اور اہل وعیال سے جدائی کا غم اور پریشانی انصار کی الفت اور موانست سے بدل جائے۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو، انصار نے جس طرح مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

مکہ میں سماجی لحاظ سے ایک ثقافتی اکائی کے طور پر مسلمانوں کا وجود تو تھا لیکن یہ اکائی کسی مؤثر حیثیت کی حامل نہ تھی۔ دیگر عرب قبائل مسلمانوں کے وجود کو تسلیم بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے داخلی استحکام پر توجہ فرمائی اور اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط بنایا۔

میثاق مدینہ نے مسلم اور غیر مسلم کو ایک نظم کا پابند بنا کر شہر کے دفاع کے لئے تیار کیا۔ غیر مسلموں کا حضور ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کر لینا سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔

مدینہ منورہ میں یہود کی کافی تعداد تھی یہاں انکے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں بھی ان کی پوزیشن کافی مضبوط تھی یہ لوگ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلے میں علمی فوقیت اور امتیاز حاصل تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حسد و بغض کی آگ اور مشتعل ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہو گئی ہے اس لیے انہوں نے حق کی عداوت میں پچھلوں کی اتباع کی۔ قرآن کریم ان کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے اس لیے آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ فریقین اطمینان و سکون سے رہ سکیں اور عظیم مشن کے حصول میں رکاوٹیں کھڑی نہ ہوں۔

س:2 خطبہ حجۃ الوداع پر مفصل نوٹ لکھیں؟

ج:2 خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ) ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا“۔ (پارہ6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے ”حجۃ الوداع“ کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر ”حج الاسلام“ اور ”حج البلاغ“ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہیں پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قُبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے

قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ ”اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی“۔

03204815186

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب وکتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے"۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ " ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا"۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کرلیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے

ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کریں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

لوگو! یادرکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ” وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض” کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج

غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے 7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبیٰ کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆انسانی جان، مال، عزت و آبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆امانت کی ادائیگی۔

☆قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆پُر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص و دیّت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشد و ہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

س: 3 اسلامی تہذیب کے نمایاں خصائص کون سے ہیں۔ کسی دو پر گفتگو کیجیے؟

ج: 3 **اسلامی تہذیب کی خصوصیات:** یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزارہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئ صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کر دینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیء قدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت وکرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرودیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت وترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم وحکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید وقدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق و انصاف پر مبنی ہو اور دین و عقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم و کرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

سابقہ پرچہ 2021

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 درج ذیل آیات میں سے ایک آیتِ مبارکہ کا ترجمہ ع تشریح کریں؟

(الف)۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

(ب)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ- قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔

ج:1

(الف)۔ ترجمہ: رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور مسلمان بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر یہ کہتے ہوئے ایمان لائے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے سنا اور مانا، (ہم پر) تیری معافی ہو اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

تشریح: {کُلٌّ اٰمَنَ: سب ایمان لائے۔} اصول و ضروریاتِ ایمان کے چار مرتبے ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تمام صفات پر ایمان لانا۔

(2) فرشتوں پر ایمان لانا اور وہ یہ ہے کہ یقین کرے اور مانے کہ وہ موجود ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان احکام و پیغام کے واسطے ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ جو کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور اپنے رسولوں کے پاس وحی کے ذریعے بھیجیں وہ بے شک و شبہ سب حق اور سچ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور قرآن کریم تغیِیر، تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے اور مُحکم و متشابہ پر مشتمل ہے۔

(4) رسولوں پر ایمان لانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جنہیں اُس نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا، تمام رسول اور نبی، اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین ہیں، گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، ساری مخلوق سے افضل ہیں، ان میں بعض حضرات بعض سے افضل ہیں البتہ نبی ہونے میں سب برابر ہیں اور اس بات میں ہم ان کے درمیان کوئی

03248151860

فرق نہیں کریں گے۔ نیز ہم اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو سنیں گے، مانیں گے اور اس کی پیروی کریں گے۔ یادرکھیں کہ ایمان مُفَصَّل کی بنیاد یہی آیتِ مبارکہ ہے۔

(ب)۔ **ترجمہ:** اے ایمان والو دینِ خدا کے مدد گار ہو جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں حواری بولے ہم دینِ خدا کے مدد گار ہیں۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو دین کی مدد کرنے اور مخالفین کے ساتھ جہاد کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے مدد گار بن جاؤ جیسے حضرت! چنانچہ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حواریوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی تھی جب آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حواریوں سے فرمایا تھا ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کر میری مدد کریں ؟ حواریوں نے عرض کی ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مدد گار ہیں۔

03204

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں،

(1)…مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مدد مانگنا انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سنت ہے، یہ شرک نہیں اور ”اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ“ کے خلاف نہیں۔

(2)…عیسائیوں کو نصاریٰ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء واَجداد نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے کہا تھا: ”نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ“۔

(3)...اللہ تعالیٰ کے پیاروں کی مدد کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا ہے، کیونکہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی مدد کی تھی مگر عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔

صفدر خان 03204815186

س:2 خطبہ حجتہ الوداع کی اہمیت بیان کریں؟

ج:2 خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشور ہے۔ اس منشور میں کسی گروہ کی حمایت کوئی نسلی، قومی مفاد کسی قسم کی ذاتی غرض وغیرہ کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ) ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا“۔ (پارہ6، سورۃ المائدۃ آیت 3)

ذی قعدہ 10 ہجری میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضور ﷺ کا آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے ”حجۃ الوداع“ کہا جاتا ہے۔ یہ ابلاغ اسلام کی بناء پر ”حج الاسلام“ اور ”حج البلاغ“ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس حج کے موقع پر سرکارِ مدینہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے وہاں 9 ذی الحج (یوم عرفہ) کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں وہی پڑھیں پھر اتنی دیر وہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ سے عرفات تشریف لائے (عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہو گا تو حج ادا نہیں ہو گا) وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے قُبہ لگا ہوا تھا آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء اونٹنی پر کجاوا کسا گیا اور آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اس وقت

آپ ﷺ کے گرد 1 لاکھ 44 ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ نے اللہ پاک کی حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبہ کی ابتداء یوں فرمائی۔ ”اللہ پاک ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ پاک نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسکی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا"۔

لوگو! میری بات غور سے سن لو مجھے نہیں معلوم کہ تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں یا نہیں" ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ پاک کے نزدیک وہ ہے جو اللہ پاک سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار ہے تو تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے، اب فضیلت و برتری کے سب دعوے، خون مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے دفن اور پامال ہو چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کے پاس تم ایسے آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اے لوگو! تمہارے خون، مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی، اس ماہ مبارک (ذی الحج) کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت قائم ہے، تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھنا ہے۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسکا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس دے دے“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو، ان کا خیال رکھو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے قتل و خونریزی کے تمام جھگڑوں کا ملیامیٹ کرتا ہوں، پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا، میں اسے چھوڑتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اُسکا حق دے دیا۔ حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔ قرض قابل واپسی ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اسکے جس پر اسکا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی اسکو دے دے، تم خود ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔

ہاں اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ پاک کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر تمہارے لئے حلال ہوئی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اسکے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ پاک کی کتاب، ہاں یاد رکھنا، دینی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کرنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی کے سبب ہلاک ہوئے"۔

لوگو! شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اس کی اس شہر میں پیروی کی جائے لیکن اس کا امکان ہے کہ " ایسے معاملات جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہو اس لئے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا"۔

لوگو! حرمت والے مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کرتا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور جو ایک سال اُسے حرام رکھتے ہیں اور دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں۔ تاکہ یہ کافر لوگ اللہ پاک کے حلال کیے

ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کریں اس طرح یہ اللہ پاک کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“۔

لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ ” وقت کی نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، اللہ پاک کے گھر کا حج کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

لوگو! اور تم سے میرے متعلق اللہ پاک قیامت کے دن پوچھے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض ” کیا ہم شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اللہ پاک کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا "اے اللہ پاک! گواہ رہنا، گواہ رہنا"۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو سورۃ المائدۃ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترجمہ) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا"۔

خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ فرمایا "اذان پڑھو"۔ حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی تو حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دونوں ملا کر پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج

غروب ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا کہ کنکریاں چن لو، انہوں نے 7 کنکریاں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نشیب میں جمرۃ العقبٰی کو کنکر مارنے کے لئے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ سے جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو، شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔ یہاں پر حضور ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔ پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی، 63 اونٹ حاضر تھے۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ قربانی کی کھال مساکین میں تقسیم کر دو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

☆انسانی جان، مال، عزت و آبرو، اولاد کا تحفظ۔

☆امانت کی ادائیگی۔

☆قرض کی واپسی اور جائیداد کے تحفظ کا حق، سود کے خاتمے کا تاریخی اعلان۔

☆پُر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔

☆ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔

☆انسانی جان کا تحفظ، قصاص و دّیت۔

☆قانونی مساوات کا حق، نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ۔

☆غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان۔

☆عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان کیا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شہر اور جس خطے میں پہلے آنحضرت ﷺ کے رشد و ہدایت کے پیغام کو لوگوں نے جھٹلایا تھا اب اسی شہر میں 1 لاکھ 44 ہزار سے زائد افراد آقا ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ تاریخ ساز خطبے میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات پر حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی عمل کیا گیا۔

س: 3 مغربی تہذیب کے مسلمانوں پر اخلاقی اثرات کے موضوع پر نوٹ لکھیں؟

ج: 3

مغربی تہذیب کے مسلمانوں پر اثرات:

مغربی تہذیب اپنے علم سے اور دیگر ارتقائی قوتوں سے بعض ایسی منزلوں تک جا پہنچی ہے جن منزلوں کی ہم سب کو بحیثیت سماجی انسان ضرورت ہے۔ اس کی مذہبی انسانوں کو بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی لادین انسانوں کو. مغرب للہ کے نظام فطرت میں جتنی پیش رفت کر چکا ہے اور معاصر دنیا فطری اور انسانی دائرہ کار میں جہاں تک پہنچی ہوئی ہے، اس کا نہ تو انکار ممکن ہے اور نہ ہی اس سے اصولی اجتناب کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ اس وقت مغرب انسانی ضروریات سے لے کر انسانی آئیڈیلز کی صورتگری پر واحد حکمران ہے اور عملی صورت یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن کو بنانا چاہیں گے تو اس کی تعمیر کا بھی سارا سامان وہیں سے لینا ہو گا. آپ اپنی دنیا کو بنانا چاہیں گے تو دنیا کو چلانے، قائم کرنے اور محفوظ رکھنے کا سامان بھی اور تصورات بھی وہیں سے لینا تو دور کی بات، دنیا اس کی عادت ڈال چکی ہے اب اس سے انکار نہیں یہ تو واقعہ کا انکار ہے. میں اگر حب اسلام میں چنگیز خان کو ٹی بی کا مریض کہہ بھی دوں تو یہ بات ممکن ہے کہ میرے کسی جذبہ کی تسکین ہو جائے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

انسانیت کی گاڑی جو منازل طے چکی ہے، قطع نظر اس کے کہ اسٹیرنگ پر کون بیٹھا ہوا ہے، ہم منزل کا انکار کر کے بس سے نکلنے کا شور نہیں مچا سکتے۔ یہ غیر انسانی بھی ہو گا اور غیر اسلامی بھی اب بات یہ ہے کہ مغرب میں ہمیں بلاشبہ بہت بڑی بڑی منزلوں تک پہنچا دیا ہے اور ان پر اپنا حق ملکیت جتائے بغیر مذہب نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ ان کی بیشتر چیزیں **patent** چیزوں کی طرح نہیں اس پر انہوں نے اپنا کاپی رائٹ نہیں رکھا ہے اور انسانیت کے سپرد ایسی ہیں جو

کر دیا ہے۔ وہ یہ سب ہمیں ماننا بھی پڑے گا اور اس سب پر ہمیں احسان مند بھی ہونا پڑے گا میرے خیال میں اس کے خلاف کوئی بھی رائے غیر دینی ہے۔ اب مسئلہ پیدا یہاں سے ہوتا ہے کہ مغرب کی بس نے ہمیں ایبٹ آباد پہنچا دیا اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ بیٹھے ہیں۔ بس گویا کل انسانیت کو سفر کے لئے ورثے میں ملی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہر زمانے میں کوئی ایک تہذیب ہوتی ہے لیکن میں بحثیت مسلمان اب ایبٹ آباد پہنچ کر ڈرائیور کی مرضی سے آزاد ہوں۔ ایبٹ آباد پہنچ کر میں ہوٹل کا پتہ ڈرائیور سے نہیں پوچھوں گا۔ اب اپنے کھانے کا مینیو اس سے نہیں لوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب نے دنیا کو جو کچھ دیا ہے اس کو قبول کرتے وقت ایک بائنڈنگ رویہ ضرور اختیار کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہئے کہ ان میں سے کون سی چیزیں میرے دینی وجود سے متصادم ہیں؟ ان کو مجھے چھوڑنا ہو گا اور پھر مجھے انسانی تہذیب میں خدا کے انکار کی ضرورت کو مغرب میں ڈال دیا ہے مجھے مغرب سے جنگوں میں نہیں لڑنا ہے۔ مغرب اگر میرے لیے خطرہ ہے مغرب میرے لیے للہ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے. مغرب نے میرے لیے جو خطرہ پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے اخلاقی سماجی معاشی علمی وجود کی تشکیل کے عمل میں خدا کو رکاوٹ بنا کر خارج کر دیا ہے۔ اب مجھے اس پورے paradigm سے نکلنا ہے، اس سے لڑنے کی ضرورت پڑی تو لڑنا ہے اور اس paradigm کا احیاء کرنا ہے کہ نہیں خدا کو مرکز میں رکھے بغیر خدا کو زندگی کی ساری حرکت کا مرکز اور منتہا بنائے بغیر انسان اپنی اخلاقی تہذیبی اور کسی طرح کے یونیورسل مطالبات پورے نہیں کر سکتا۔ ہم یہ جواب دینے میں ناکام ہیں یہ جواب فی الحال ہمارے حافظے ہی تک محدود ہے لیکن یہ جواب ایسا ہے کہ مغرب جس دلیل پر خدا کو باہر نکال رہا ہے اس دلیل میں اس سوال کی appreciation چھپی ہوئی ہے. اگر یہ سوال بندوق سے نہ کیا جائے بلکہ علمی انداز کے ساتھ ساتھ اخلاقی مظاہرے کے ساتھ کیا جائے۔ مغرب سے ہمیں کوئی اختلاف ہے جو کہ بہت اصولی اختلاف ہے، تو اس اصولی اختلاف کے خلاف ہمارا ہتھیار ان کی ایجاد کی ہوئی بندوق نہیں ہے، ہمارا ہتھیار ہمارا ایک نتیجہ خیز علم اور ہمارا وہ اخلاق

جو تمہاری معاشرت کو تعمیر کر کے دکھا چکا ہوں۔ اس میں ہم مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے، فرد کی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک اپنے تصور علم پر علمی ترقی کرنا اور اپنے تصور خیر پر بااخلاق بننا ہی واحد حل ہے۔ یہ ہماری اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور اس سے ہمیں مغرب روک نہیں رہا۔ یہ کام ہم بغیر کسی خوف کے کر سکتے ہیں لیکن ہمیں ایک بری عادت پڑی ہوئی ہے کہ ہم علم کو نتیجہ خیز بنانے کی جدوجہد سے دو چار سو سال پہلے دستبردار ہو چکے ہیں ہم اخلاق کے معاشرتی ماڈلز کو دینی فریضہ بنائے رکھنے کے تصور سے عاری ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مغرب سے لڑائی کا جو اصل میدان ہے وہ ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے وہاں سے فرار ہو کر اس میدان میں مغرب سے لڑ رہے ہیں جہاں اس سے لڑنے کی اول تو ضرورت نہیں ہے اور جن لوگوں نے لڑائی چھیڑی ہوئی ہے وہ مغرب کے غلبے کو گویا اسٹیبلش کر رہے ہیں ان کے غلبے کو الٹا ایک نظریاتی جہت دے رہے ہیں اور مغرب کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اپنی بہترین انکاری صلاحیتوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں اور ایسا ہونا کئی سالوں سے شروع ہو گیا ہے۔

خدا مرکز علم خدا مرکز اخلاق چاہے یہ اپنی فارمز میں مغرب کی علمی اور اخلاقی تعلیم کے نزدیک ہے یا دور ہے اس سے بالکل بے نیاز ہو کر ہمیں یہ دو چیزیں پیدا کرنی ہیں ورنہ مغرب کا ہر غلبہ اب ہمارے لئے افت کا سبب بنے گا راحت کا نہیں۔

03204815186

سابقہ پرچہ 2022

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 درج ذیل آیت کا ترجمہ و تشریح کیجیے؟

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّؕ-ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

ج: 1 ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رکھیں، یہ اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: اے نبی اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے فرمادو۔} ارشاد فرمایا کہ اے پیارے حبیب! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ، آپ اپنی اَزواجِ مُطَہَّرات، اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ جب انہیں کسی حاجت کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈال کر رکھیں اور اپنے سر اور چہرے کو چھپائیں۔ زمانۂ جاہلیّت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں قمیص اور دوپٹہ پہنے چہرہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور جب رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے کھجوروں کے جھنڈ اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ باندیوں کے پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورتوں پر بھی دست درازی

03204815186

کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گمان کیا تھا۔ اس پر آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ چادر سے جسم ڈھانک کر سر اور منہ چھپا کر باندیوں سے اپنی وضع ممتاز کر دیں تا کہ کوئی شخص ان کے متعلق بری خواہش نہ کرے۔ (البحر المحیط، الاحزاب، تحت الآیۃ: ۵۹، ۷ / ۲۴۰)

یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لونڈیوں کو ستانا جائز تھا بلکہ یہ ان فاسق و فاجر لوگوں کے ایک حیلے کے سامنے بند باندھنے کیلئے فرمایا گیا۔

یعنی اگر آزاد مسلمان عورتیں اس طرح چادر اوڑھ کر چہرہ ڈھانپ کر باہر نکلیں گی تو انہیں دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عزت دار اور باحیا خواتین ہیں اور اس سے ان کی عزت محفوظ رہے گی اور ستائی بھی نہیں جائیں گی۔ اس آیت مبارکہ سے ہمارے زمانے کی ان عورتوں کو درسِ عبرت حاصل کرنا چاہیے جو شرم و حیا کی چادر اتار کر بن سنور کر بازاروں کی رونق بنی رہتی ہیں اور لوگوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں اور اوباش قسم کے لوگ ان پر آوازیں کستے اور چھیڑ خانی کرتے ہیں۔

س:2 مطالعہ سیرت کی دینی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کیجیے؟

ج:2 ایک مسلمان کے لیے مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت اظہر من الشمس ہے کیونکہ ایک مسلمان رسولؐ اللہ کی ذاتِ مبارکہ کو قانون وشریعت کا مآخذ سمجھتا ہے اور رسولؐ اللہ سے محبت ایمان کا عملی تقاضا حضورؐ نے فرمایا: ”وہ ایمان والا نہیں جو مجھے اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے“۔

اور اس کے ساتھ یہ بات بھی مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے کہ رسولؐ اللہ کی اطاعت ہی میں نجات ہے۔

ہدایت کا ذریعہ صرف اور صرف اطاعتِ نبوی ہے۔

1۔ اگر کسی کے لیے کوئی اسوہ حسنہ ہے تو وہ صرف رسولؐ اللہ کی ذات مبارکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ کی ذات کا بہترین نمونہ ہے ہر اس کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور آخرت کی اُمید رکھتا اور اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرتا ہے۔ (سورۃ الاحزاب:21)

2۔ رسولؐ اللہ کی اقتداء واتباع کا اولین تقاضا یہ ہے کہ کہ زندگی کے مختلف گوشوں میں آپ کی صفات واخلاق، آپؐ کی نبوت کے دلائل اور خصائص کی معرفت حاصل کی جائے۔ جو شخص آپؐ کے اخلاق واوصاف کو جانے گا وہی یقیناً آپؐ سے محبت کرے گا۔

3۔ علامہ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں سیرت نبویہ کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے کیونکہ سعادتِ دارین رسولؐ اللہ کی لائی ہوئی ہدایت ورہنمائی پر مبنی ہے۔

4۔ سیرت نبویؐ، رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ کے جذبہ ایمان ویقین کے واقعات سے لبریز ہے جو ان سے اعلائے کلمتہ اللہ کی سربلندی کے لیے ظہور ہوئے ان دل آویز واقعات کو پڑھ اور سن کر مومنین کے عزائم کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

دینِ حق کے دفاع کا جذبہ مستحکم ہوتا ہے اور دلوں کو راحت، سکون واطمینان ملتا ہے۔

5۔ رسولؐ اللہ کی حیاتِ طیبہ میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے رہنمائی موجود ہے چاہے حاکم ہو یا محکوم۔ طالب علم ہو یا استاذ گویا آپؐ کی سیرتِ طیبہ ایک انسانِ کامل کے لیے ہر اعتبار سے اعلیٰ درجے کی نادر مثال ہے۔

6۔ رسولؐ اللہ کی سیرت کے مطالعہ سے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ قرآن مجید کا تعلق سیرت رسولؐ اللہ کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ (کان خلقہ القرآن)

7۔ رسولِ رحمتؐ کے خصائص و امتیازات دوسروں سے رویہ، معاملات، حقوق و فرائض کا تعین کی صحیح معرفت سیرتِ طیبہ کے مطالعہ ہی سے ممکن ہے۔

8۔ سیرت رسولؐ اللہ کا مطالعہ کرنے سے عقیدہ و ایمان، شریعت، اخلاق، تفسیر، حدیث، صداقت، سیاست، عدالت، دعوت و تربیت اور معاشرت اور مختلف امور کے متعلق بالکل صحیح، مستند اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہے۔

9۔ سیرتِ طیبہؐ اور حدیث مبارکہ میں گہرا تعلق ہے سیرت طیبہ کے مطالعہ سے صحیح احادیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

10۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے دعوتِ اسلامیہ کے تدریجی حالات اور نشیب و فراز کے مراحل سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور ان مشکلات و تکالیف کا پتہ چلتا ہے جن سے رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ کو کلمہ طیبہ کی سربلندی کے لیے گزرنا پڑا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپؐ نے پیش آمدہ دشواریوں کی گھاٹیاں عبور کرنے کے لیے کیا طریقئ کار اختیار کیا۔

سیرۃ سَارَ۔یَسِیرُ۔سیر اسے چلنے پھرنے کے معنوں میں آتا ہے طریقہ، راستہ، روش شکل و صورت طرزِ عمل، حسن السیرۃ۔ (لسان العرب 7/389)

فقہاء و محدثین کے نزدیک

لفظ سیرت سیر و مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے۔

مثلاً صحیح بخاری، کتاب المغازی، مسلم میں کتاب السیر والجہاد، فتح الباری میں کتاب المغازی والسیر کے عنوانات ہیں۔ اسی طرح السیر للاوزاعی کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر محمد بن حسن الشیبانی۔

لفظ سیرت کی اصطلاحی تعریف آنحضرتؐ کے حالات زندگی اور اخلاق وعادات بیان کرنے کا نام سیرت ہے۔ آج دنیا کی تمام مسلم زبانوں اور بہت سی غیر مسلم زبانوں میں سیرت کا لفظ سرکارِ دوعالمؐ کی مبارک زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اسلامی علوم وفنون میں سیرت کا لفظ سب سے پہلے رسولؐ اللہ کے اس طرزِ عمل کے لیے استعمال کیا گیا جو آپؐ نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے اور جنگوں میں یا صلح اور معاہدات کے معاملات میں اپنایا۔

شریعت کی اصطلاح میں سیرت سے مراد وہ طریقہ ہے جو کفار سے جنگ وجہاد میں اپنایا جائے۔

پہلا پہلو: مغازی رسولؐ اللہ۔

دوسرا: سیرت رسولؐ کا قانونی پہلو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ کی جامع تعریف:

رسولؐ اللہ کے وجودِ گرامی سے جو بھی متعلق ہے، رسولؐ اللہ کی ولادتِ مبارکہ سے لے کر آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے تک ان سب کی تفصیل کو اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں سیرت کہتے ہیں۔

سیرۃ نبویؐ کا اولین اور اصل ماخذ قرآن کریم ہے۔

رسولؐ اللہ کے اقوال، افعال اور تقاریر خوش اسلوبی سے جمع کر دیے گئے ہیں۔ صحیح بخاری میں، قبل از نبوت بعد از نبوت کے ابواب قائم کئے گئے ہیں۔

سنن اربعہ خصوصاً ترمذی میں سیرت کا مستقل تذکرہ موجود ہے، خصوصاً کتاب المناقب اسی طرح امام بیہقی کی سنن

03204815186

کبریٰ۔ مسند احمد۔

امام ترمذی کی شمائل پر الگ کتاب ہے۔ صحیح بخاری اور الادب المفرد میں، الاستئذان، اللباس۔ مسلم میں البرّ والصلۃ، الذھد، الرقاق۔

☆دلائل نبوت اور معجزات کے متعلق کتب: دلائل النبوۃ: ابو نعیم صبہانی۔ الخصائص الکبری: علامہ سیوطیؒ دلائل النبوۃ: امام بیہقی۔

ئیسئ☆سبل لھدی والرشاد فی سیرت خیر العباد امام شامی۔

☆الخصائص الکبریٰ، علامہ سیوطی

☆کتب سیرت ومغازی

☆تاریخی کتابیں

☆ادبی کتابیں

(یہ تمام سیرت کے آخذ ہیں)

حدیث وسیرت میں مختصر فرق

حدیث میں اصل بحث اقوال وافعال رسولؐ اللہ پر ہوتی ہے اور ذات وشمائل رسولؐ ضمناً زیر بحث آتے ہیں، جبکہ سیرت میں ذات وشمائل رسولؐ اصلاً زیر بحث آتے ہیں۔

سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس لیے کہ سعادت دارین، رسولؐ اللہ کی لائی ہوئی ہدایت اور رہنمائی پر مبنی ہے۔ کیونکہ ہدایت کا ذریعہ صرف اور صرف اطاعتِ نبوی ہے۔

03204815186

س: 3 اسلامی تہذیب و ثقافت کی خصوصیات تحریر کیجیے؟

ج: 3 **اسلامی تہذیب و ثقافت کی خصوصیات:** یوں تو اسلامی تہذیب اپنے ہزارہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے؛ مگر یہاں صرف اس کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو سپردِ قرطاس کریں گے:

پہلی خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس کامل وحدانیت پر ہے، یہی ایک ایسی تہذیب ہے، جو یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک شئ صرف ایک ذات کی خلق کردہ ہے، اسی کے لیے عبادت اور پرستش ہے اور اسی سے اپنی حاجات وضروریات بیان کرنا چاہیے (ایاک نعبد وایاک نستعین) وہی عزت عطا کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں کسی کو بھی ذلیل وخوار کردینا ہے، (وتعز من تشاء وتذل من تشاء) وہی دیتا ہے اور وہی محروم بھی رکھتا ہے اور زمین کی بے کراں وسعتوں اور آسمان کی بے پایاں بلندیوں پر جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (وہو علی کل شیء قدیر)

دوسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام تر آفاقی ہیں۔ قرآن کریم نے تمام عالم کے انسانوں کو حق، بھلائی اور خلقی شرافت وکرامت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا، جس میں ان تمام قبائل واقوام کے عمدہ جواہر کو ایک لڑی میں پرو دیا جنھوں نے مذہب اسلام قبول کیا، پھر اس کی اشاعت وترویج میں کوشاں رہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام تہذیبیں کسی ایک نسل پر ناز کرتی ہیں، مگر تہذیبِ اسلامی میں وہ تمام افراد مایۂ افتخار ہیں، جنھوں نے اس کی عظمت کو بلند کیا؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو انسانی فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی تہذیب کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا اور ان قدروں سے کبھی بھی خالی نہ رہی؛ چناں چہ علم وحکمت، قوانین شرعیہ، جنگ، مصالحت، اقتصادیات اور خاندانی نظام، ہر ایک میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی اور عملاً بھی اور اس معاملے میں بھی اسلامی تہذیب کا پلڑا تمام جدید وقدیم تہذیبوں پر بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ اس میدان میں ہماری تہذیب نے قابل فخر کارنامے چھوڑے ہیں اور وہ دیگر تمام تہذیبوں سے انسانیت نوازی میں سبقت لے گئی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

ہماری تہذیب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا؛ چناںچہ عقل و قلب دونوں اس کے مخاطب ہیں اور یہ بھی تہذیبِ اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس میں پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، اس کے باعثِ افتخار ہونے کا راز یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق و انصاف پر مبنی ہو اور دین و عقیدے کی پختگی جس کا محور ہو۔

پانچویں خصوصیت:

ہماری تہذیب کی ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور انتہاء سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں ناپید ہے۔ خیر یہ تو کسی ایک شخص کی بات ہے؛ مگر ہماری تو پوری تہذیب کی بنیاد ہی مذہب اور اس کے وضع کردہ اصولوں پر ہے؛ لیکن یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ انصاف، رحم وکرم اور انسانیت کی علمبردار صرف اور صرف اسلامی تہذیب ہے۔

سابقہ پرچہ 2023

س: 1 درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں؟

س: 1 درج ذیل آیاتِ قرآنیہ میں سے ایک جزو کا ترجمہ و تشریح کیجیے؟

(الف)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

(ب)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ- قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ- فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ۔

03204815186

ج: 1

(الف)۔ ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت (ضائع) نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

تشریح: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو۔} اس آیتِ مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے دو عظیم آداب سکھائے ہیں، پہلا ادب یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ تم سے کلام فرمائیں اور تم ان کی بارگاہ میں کچھ عرض کرو تو تم پر لازم ہے کہ تمہاری آواز ان کی آواز سے بلند نہ ہو بلکہ جو عرض کرنا ہے وہ آہستہ اور پست آواز سے کرو۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو اس طرح نہ پکارو بلکہ تمہیں جو عرض کرنا ہو وہ ادب و تعظیم اور توصیف و تکریم کے کلمات اور عظمت والے اَلقاب کے ساتھ عرض کرو جیسے یوں کہو: یا رسولَ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، یا نَبِیَّ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، کیونکہ ترکِ ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کی تمہیں خبر بھی نہ ہو گی۔

(قرطبی، الحجرات، تحت الآیۃ: ۲، ۸/ ۲۲۰، الجزء السادس عشر)

03204815186

(ب)۔ترجمہ: اے ایمان والو دینِ خدا کے مدد گار ہو جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں حواری بولے ہم دینِ خدا کے مدد گار ہیں تو بنی اسرائیل سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو غالب ہو گئے۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو دین کی مدد کرنے اور مخالفین کے ساتھ جہاد کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے چنانچہ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے دین کے مدد گار بن جاؤ جیسے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حواریوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی تھی جب آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حواریوں سے فرمایا تھا ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کر میری مدد کریں؟ حواریوں نے عرض کی: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مدد گار ہیں تو بنی اسرائیل سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا، ان دونوں میں جنگ ہوئی تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو ایمان والے غالب ہو گئے۔

آیت کے آخری حصے کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام آسمان پر اُٹھا لیے گئے تو ان کی قوم تین فرقوں میں مُنْقَسِم ہو گئی، ایک فرقے نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بارے میں کہا: وہ اللہ تھا آسمان پر چلا گیا۔ دوسرے فرقے نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا تھا اُس نے اپنے پاس بلا لیا۔ تیسرے فرقے نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے اُس نے اُٹھا لیا۔ یہ تیسرے فرقے والے مومن تھے اور اِن کی اُن دونوں فرقوں سے جنگ رہی اور کافر گروہ اُن پر غالب رہے یہاں تک کہ انبیاء کے سردار محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ظہور فرمایا، اس وقت ایمان دار گروہ ان کافروں پر غالب ہوا۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کے آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی تصدیق کرنے سے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر ایمان لانے والوں کی مدد فرمائی، اس کی برکت سے یہ لوگ کافروں پر غالب

ہو گئے۔ (خازن، الصف، تحت الآیۃ: ۱۴، ۴ / ۲۶۴-۲۶۳، جلالین، الصف، تحت الآیۃ: ۱۴، ص ۴۵۹، مدارک، الصف، تحت الآیۃ: ۱۴، ص ۱۲۳۸، ملتقطاً)

03204815186 مظہر خان

س:2 مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالیے؟

ج:2 آپ انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کوئی دور دور تک ان کو پڑھانے والا نظر نہیں آئے گا، انبیاء علیہم السلام کو تمام معلومات اور تمام رہنمائیاں براہ است اللہ تعالی کی جانب سے ملتی ہیں، اور اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں کبھی دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے، کبھی فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے، کبھی کسی اور ذریعہ سے (خواب وغیرہ کی صورت میں) بات بتلائی جاتی ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام دنیا والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں کہ زندگی ایسے گذارو۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أسوة حسنة (القرآن)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، انسانی زندگی کے لیے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانیت اپنے آپ کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ ایک چمکتا ہوا راستہ ہے، جو زندگی کی مشکلات اور تاریکی میں سے راستہ روشن کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی تقلید کرتے ہوئے، ہم اپنی ذاتی زندگیوں اور سماجی تعاملات دونوں میں روشنی پا سکتے ہیں۔

آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ اپنی ذاتی زندگی میں اور معاشرے میں اپنے میل جول میں لے کر مشکلات آسان کر سکتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہم دن رات سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اکثر انہیں محض کہانیوں کے طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہم اپنی عملی زندگی کے لیے ان سے سبق حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے موجودہ حالات کو ان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ سیرت النبی ﷺ کے واقعات جو ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں، حکمت اور ہدایت کے پوشیدہ خزانوں کی مانند ہیں۔ وہ قیمتی جواہرات اور موتی ہیں، اور یہ ہماری عملی زندگیوں کے لیے قیمتی اسباق رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے، ہم اکثر ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اس بات کا احساس نہیں کرتے کہ وہ ہماری زندگی سے کتنے متعلقہ ہیں۔ درحقیقت پوری سیرت اس لائق ہے کہ ہمارے اعمال اور فیصلوں پر عمل کیا جائے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دنیا کے مختلف پہلوؤں کو جانتے ہیں، گناہوں کی کہانیاں ہمارے ذہنوں میں جمی رہی ہیں۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جو کبھی ہمارے ذہنوں سے مٹ نہ سکے، اور آج کے دور میں ٹیلی ویژن اور فلموں کا زمانہ ہے، جس سے چھوٹے بچوں کو پوری تفصیل کے ساتھ کہانیاں یاد ہیں۔ لیکن کیا اس جیسی اہمیت ہم سیرت النبی ﷺ کو دیتے ہیں؟ نہیں، بلکہ سیرت النبی ﷺ کے حالات و واقعات یاد نہیں ہیں۔

03248151860

سیرت النبی ﷺ کو ہم نے نظر سے گزار دیا ہے، اور پیغمبر ﷺ ہماری زندگی سے بہت کم منسلک ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے ایک سوچنے کی بات ہے۔

ہمیں پیغمبر ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق مد نظر رکھنا چاہیئے، اور ان کے اقوال اور اعمال کو اپنی زندگی میں عملی شکل دینی چاہیئے۔ پیغمبر ﷺ کی سنتوں کو ہمیں اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیئے تا کہ ہمیں ان کے رہنماؤں پر عمل کرنے کی راہ ملے۔

پیغمبر ﷺ کے حالات اور سنتوں کو اپنے گھروں میں زندہ رکھنا ہماری زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے، اور ہمیں ان کے عظیم اخلاقی اصولوں کا احترام کرنا چاہیئے۔

صفدر خان 03204815186

س: 3 اسلامی اور مغربی تہذیب کے خصائص کا موازنہ تحریر کیجیے؟

ج: 3 اسلامی اور مغربی تہذیب کا موازنہ اور تنقیدی جائزہ:

تمام انسانی تہذیبیں اور ثقافتیں زندہ مخلوق (نامیاتی اجسام) کے مانند ہوتی ہیں۔ جس طرح ہر جاندار مخلوق زندگی میں مختلف مراحل سے گزرتی ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپا، پھر موت، یہی حال تمام انسانی تہذیبوں کا ہے۔ تہذیبیں پیدا ہوتی ہیں، عروج پاتی ہیں، پھر زوال کا شکار ہو کر مٹ جاتی ہیں۔

دنیا کی جتنی بھی تہذیبیں ہیں، وہ تین چیزوں کا ملغوبہ ہوتی ہیں (۱) وہ گزشتہ تہذیبوں کے کھنڈرات پر قائم ہوتی ہیں یعنی گزشتہ تہذیبوں کے بچے کھچے آثار و باقیات یا تلچھٹ۔ (۲) ہر تہذیب کسی آسمانی وحی یا کچھ مفکرین و دانشوروں کے تصورات و افکار پر مبنی ہوتی ہیں۔ (۳) ہر تہذیب پر خطہ و ملک کا ماحول، عقائد و رسوم اثر انداز ہوتے ہیں۔

موجودہ مغربی تہذیب یونانی فلاسفہ اور مفکرین کے تصورات و افکار اور یونان و روم کی بت پرستانہ عزائم اور رسوم اور وہاں کی گزشتہ تہذیبوں کے مابقی اثرات و باقیات کا ملغوبہ ہے۔ بد قسمتی سے مغرب کے فکر و فلسفہ اور عقائد و رسوم پر آسمانی تعلیمات کی پرچھائیں بہت کم پڑی ہیں۔ اگر کچھ آسمانی تعلیمات کسی طرح مغرب میں پہنچ بھی گئیں تو مغرب نے انہیں بدل کر اپنے رنگ میں رنگ لیا، جیسے مسیحیت جس پر حضرت مسیح کے عقائد و تعلیمات کا اثر بہت کم اور ایک مغربی رومی باشندے (سینٹ پال) کے نسل پرستانہ اور رومی دیومالائی عقائد و رسوم و قوانین کا اثر بہت زیادہ رہا ہے۔ اس طرح مسیحیت یا عیسائیت دائمی افادیت کی آسمانی تعلیمات سے کٹ کر انسانی فکر و فلسفہ اور عقائد و رسوم کا مذہب بن کر رہ گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام تہذیبیں جغرافیائی حالات اور نسلی و قومی احتیاجات و ضروریات کی پیداوار ہوتی ہیں۔

البتہ اسلامی تہذیب، تہذیبوں کے ظہور اور ان کے عروج وزوال کے اس عمومی قانون سے مستثنٰی ہے کیونکہ یہ کوئی نسلی و قومی نامیاتی جسم نہیں ہے بلکہ ایک زندہ نظریہ و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کی اساس جغرافیائی، نسلی و قومی عوامل کے بجائے ایک ایسے دین اور فکر و عقیدے و تعلیمات پر ہے جس کی حیثیت دائمی و ابدی ہے۔ نزول قرآن کے ساتھ ہی دنیا میں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا جو قرآنی عقیدہ و تعلیمات سے پیدا ہوئی۔ قرآن کریم خالق کا کلام اور خالق کی صفت ہے۔ جس طرح خالق کی ذات وصفات دائمی و ابدی ہے، اس پر زمانہ اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ وہ زمانہ پر حاوی و غالب ہے، یہی حال خالق کے عطا کردہ عقیدہ و فکر اور تعلیمات کا ہے۔ یہ زمانہ سے ماورا ہے اور اس کی افادیت ہر ہر دور کے لیے ہے، یعنی دنیا کی تمام تہذیبوں کی طرح اسلامی تہذیب نہ کسی سابقہ تہذیب کے کھنڈرات و تلچھٹ پر ہے، نہ اس پر کسی مفکر و دانشور کے فکر و فلسفہ کا ذرہ برابر اثر ہے، نہ عرب کے سابقہ عقائد و رسوم، عادات و طرز زندگی کا۔ وہ اس قدر حساس ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو ایک خاص درجہ دینے کے باوجود عبادات تک پر ان کی تحریک شدہ آسمانی تعلیمات کا بھی ذرہ برابر اثر قبول نہیں کرتی۔ حالت نماز میں آپؐ کو علم ہوتا ہے کہ یہود کا امام محراب کے اندر کھڑا ہوتا ہے، آپؐ ایک لمحہ توقف کے بغیر اسی وقت محراب کے باہر ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو اگر وہ بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں تو تم مخالفت کرکے اس کے آگے یا پیچھے ایک روزہ اور بڑھالو“۔ وہ معاشرت کے معمولی سے معمولی عمل کے لیے الگ ضابطہ رکھتی ہے، معاشرتی امور، کھانا پینا، لباس، حجامت بنوانا، جوتا پہننا، اور استنجا کرنے میں بھی گزشتہ کسی تہذیب کا کوئی اثر قبول نہیں کرتی بلکہ اس میں بھی قرآن و سنت مستقل رہنمائی دیتی ہے۔

ہمیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کا زوال اس وقت شروع ہوا جب مسلمان فقہا و متکلمین کے اذہان پر قرآن کے بجائے مغرب (یونان) کے فلاسفہ کے انسانی علوم و افکار نے غلبہ پالیا اور ان کی بنیاد پر قرون وسطیٰ کے فقہا و متکلمین نے اپنی فقہی و کلامی تعبیرات کو اپنے اپنے عہد کے سیاسی، سماجی و تمدنی حالات اور احتیاجات کے رنگ میں بیان کرنا شروع کیا، جس کی وجہ سے وہ قرآن کے عطا کردہ تفکر سے جو تخلیقیت و ابداعیت سے مملو ہے

(یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی ہر تخلیق بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ہے) اس تفکر سے دور ہو گئے۔ ابتدائی صدیوں میں جب مسلمان اللہ کی ان صفات سے متصف تھے، تب سینکڑوں نئے علوم جن کا دنیا میں وجود نہ تھا اور ہر علوم اور شعبہ میں ہزار ہا نئی چیزیں ایجاد کر کے پوری انسانیت کے محسن اور نفع دینے والے بن گئے تھے۔ لیکن جب وہ یونانی علوم اور افکار کے اسیر ہوئے تو اس نے ان فقہاو متکلمین کے اذہان کے سوتوں کو خشک کر دیا۔ اس کی وجہ سے علوم میں پھیلاؤ اور نئی نئی ایجادات بند ہو گئیں اور دینی تفکر میں جدت اور اپج ختم ہو گئی جس کی وجہ سے اسلامی تہذیب و فکر ترو تازہ اور زندہ و توانا رہتی تھی، یعنی مسلمانوں کی فکر و علوم میں تخلیقیت و ابداعیت نہ رہنے کی وجہ سے ان کی فکر و تہذیب فرسودہ اور کہنہ ہو کر بانجھ بن کر رہ گئی۔

متاخرین کی جس فکر کو آج شریعت قرار دیا جا رہا ہے، اگرچہ وہ قرآن و سنت سے مستنبط و ماخوذ ہے مگر زیادہ تر گزشتہ ادوار کے علماء و فقہاء کے اجتہادات و استنباطات پر مشتمل ہے جو اس دور (قرون وسطیٰ) کی ضروریات تھیں۔ مگر آج تہذیب و فکر کے ارتقاء کے ساتھ اس کی اکثر جزئیات بے جوڑ ہو گئی ہیں۔ قرون وسطیٰ کے فقہ و کلام پر ارسطاطالیسی اور نو فلاطونی منطق و فلسفہ کا گہرا اثر ہے اور قدیم فلسفہ و علم آج اپنی معنویت اور قدر و قیمت کھو چکا ہے۔ اس لیے قرون وسطیٰ کے فکر و فلسفہ کی طرح ان سے متاثر کلام و فقہ بھی نئی نسل کے جدید ذہن کو اسلام کے بارے میں مطمئن کرنے میں ناکام ہے اور اس کا نتیجہ ہماری نئی نسل میں تجدید اور مغربیت کے فروغ اور غلبہ کی صورت میں نکلا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نسل نے اسلام کے احکام و تعلیمات اور اس کی تہذیب و تمدن کو عصر حاضر میں غیر متعلق کہنہ و فرسودہ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کر لی ہے اور مغربی تصورات، قانون، نظام، افکار و خیالات، اور معاشرت و تہذیب کو یہ سمجھ کر اپنا لیا ہے کہ اس سے موجودہ مسائل کا حل مل جائے گا۔

ایسے حالات میں علماء کرام کے کرنے کا اصل کام یہ تھا کہ وہ اسلام کے اصلی و حقیقی سرچشموں کی طرف لوٹتے یعنی قرآن و سنت اور شروع دور کی تعبیرات و تشریحات کی طرف۔ اور ان دائمی و ابدی سرچشمۂ حیات میں از سر نو غور و خوض کرتے، آج کے مسائل کا حل نکالتے اور فقہ و کلام دونوں کو قرون وسطیٰ کے یونانی علوم کی دبیز تہوں سے آزاد

کرا کے دور حاضر کے مسائل کے حل کے لیے جدید علم کلام اور جدید فقہ کو سامنے لاتے جو براہ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہوتا، جس سے حقیقی اسلام اپنی فطری و سادہ حالت میں نگاہوں کے سامنے آتا اور فقہ و کلام جو درمیانی دور میں یونانی فکر و فلسفہ کے غلبہ کی وجہ سے اس دور کے شارحین فقہ و کلام کی تعبیرات و تشریحات کی دبیز تہوں کے نیچے دب کر رہ گیا تھا، اس سے آزاد ہو جاتا۔ کیونکہ اسلام کا اصل ماخذ تو قرآن حکیم اور سنت رسولؐ ہی ہے، تمام اسلامی علوم و فنون اور تصورات و افکار کو ان دونوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے مصالح و ضروریات اور تقاضوں کی رعایت بھی ضروری ہے جس طرح آج سے پانچ چھ سو سال پہلے کے علماء فقہاء و متکلمین نے اپنے دور کے مصالح و تقاضوں کی رعایت کی۔ ظاہر ہے آج کے علماء (فقہاء و متکلمین) کو آج کے مصالح و تقاضوں کی رعایت کرنی ہو گی۔ بد قسمتی سے گزشتہ چند صدیوں سے علماء نے اپنے پیشرو حضرات یعنی قرون وسطیٰ کے فقہاء و متکلمین کے افکار و خیالات اور نتائج فکر و استنباطات کو شریعت کے میدان میں دہرانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ ان کے سامنے قرآن و سنت سے زیادہ متاخرین کے اقوال و افکار اور نتائج فکر رہے جبکہ ہر دور میں دینی فکر کی تازگی، احیاء و تجدید کے لیے اصلاً قرآن و سنت اور سیرت سامنے رہنا ضروری ہے۔

انسان کی فطرت ازل سے یکساں رہی ہے اور رہے گی۔ وہ اپنی جسمانی ضرورتوں کے ساتھ روحانی و وجدانی ضروریات بھی رکھتا ہے۔ عصر حاضر میں مذہب کے زوال کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جدید انسان کی فطرت و جبلت میں کوئی جوہری تبدیلی واقع ہو گئی ہے اور وہ اپنے افعال اور دلچسپیوں کو روحانی مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کی جبلی و فطری خواہش سے محروم ہو گیا ہے۔ ہر انسان آج بھی مذہب کی احتیاج و ضرورت ویسے ہی محسوس کرتا ہے جیسے پچھلی نسلیں محسوس کرتی تھیں۔ کیونکہ مذہب ہی خیر و شر، نیکی و بدی، حق و باطل اور صحیح و غلط کے مابین فرق و امتیاز کا ایک مستند معیار و کسوٹی رہا ہے اور رہے گا۔ مذہب و عقیدہ کے بغیر کوئی قطعی و یقینی کسوٹی ایسی نہیں رہ جاتی جس پر انسانی زندگی کے اغراض و مقاصد اور اس کے اعمال و افعال کی اخلاقی حیثیت کو جانچا جا سکے، اور یہ وظیفہ اور میدان سائنس و ٹیکنالوجی یا سماجی علوم کا نہیں ہے۔

اول تو مغرب کے حصہ میں سینٹ پال کی تحریف کردہ خلاف فطرت و خلاف عقل مسیحیت آئی، دوسرے یورپ میں مذہب و سائنس کے مابین کشمکش میں مذہبی طبقہ (چرچ) کے ناعاقبت اندیش غلط رویہ کے باعث مذہب کے عملی اور انارکی میں مبتلا ہو کر (Ethical Frustration) زندگی سے اخراج کے سبب مغرب کا انسان اخلاقی نامرادی رہ گیا جس کی وجہ سے ساری اخلاقی حدود کو بالائے طاق رکھ کر ہر کمزور و ناتواں اقوام پر غلبہ و بالادستی اور ان کا ہر طرح سے استحصال اس کی جبلت و فطرت بن گئی ہے جس کے سبب دنیائے انسانیت میں سفاکی و سنگدلی کے مظاہرے ہیں۔ یہ سب اسی اخلاقی نامرادی کے مختلف مظاہر و علامات ہیں۔ انسانوں کے درمیان نفرت و خونریزی ہمیشہ سے مغرب کی جبلت و فطرت رہی ہے۔ گہرائی سے مغرب کا جائزہ بتاتا ہے کہ مغربی تمدن کی بنیاد استعمار پر ہے۔ استعمار کا مطلب ہے کمزور لوگوں کو اپنی طاقت کے شکنجے میں جکڑے رکھنا۔ اور استعمار کے ہاتھوں جکڑی ہوئی اقوام و ممالک کو اپنی آزادی کے لیے ہاتھ پیر مارنے کی بھی اجازت نہیں۔ استعمار مغرب کی پانچ ہزار سالہ تاریخ و تمدن کا خلاصہ ہے۔

گزشتہ صدیوں میں مغرب کے غلبہ کے بعد دنیا کا کونسا خطہ ہے جہاں لاکھوں کروڑوں لوگ مغربی استعمار کے ہاتھوں ہلاک نہیں ہوئے۔ دو پورے براعظم (آسٹریلیا اور امریکہ) کی اصلی آبادی کا صفایا کر دیا گیا۔ امریکہ کا سب سے بڑا دیوتا (جس کے امریکہ میں سب سے زیادہ مجسمے ہیں) کولمبس نے سترہویں صدی میں ۳۵ لاکھ ریڈ انڈین کا قتل عام کیا۔ ان بے چاروں کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ان کا قصور کیا ہے۔ دوسری طرف سوشلزم کے ہیرو اسٹالن نے اپنے غلط فلسفہ کی خاطر چھ کروڑ معصوم لوگوں کو قتل کیا۔ ہٹلر اگر جنگ جیت گیا ہوتا تو مغرب کا سب سے بڑا ہیرو اور دیوتا ہوتا۔ استعماری ذہنیت کی خاطر دو عظیم جنگوں میں آپسی تباہی کے بعد مغربی دجالوں نے ٹیبل پر طے کیا کہ اب ساری ہلاکتیں مغرب کے باہر ممالک میں کریں گے۔

مغرب کی سینٹ پالی مسیحیت میں شروع ہی سے دین و دنیا کی تقسیم کا غلط عقیدہ آیا تھا جب مغرب نے حضرت مسیح کے بجائے سینٹ پال کے افکار و نظریات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ اس نے دین و دنیا، روح و مادہ کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ گویا مغرب کے موجودہ سیکولرزم کی بنیاد پہلے ہی سینٹ پال کی مسیحیت نے فراہم کی تھی۔

شروع ہی سے اس کے معتقدات واصول غیر عقلی، ناقابل فہم، اور ناقابل عمل تھے۔ جب تک چرچ اور پوپ کے پاس جبر وطاقت رہی لوگ جبراً وقہراً مانتے رہے، جیسے ہی چرچ وپوپ کی طاقت کو زوال ہوا انسانی فطرت اس کو برداشت نہ کرسکی۔

اس کے برخلاف اسلام کے عقائد واصول سب کچھ فطری، عقلی اور قابل فہم ہیں۔ اس میں اور انسانی فطرت میں، اس میں اور عقل وسائنس میں کہیں بھی کوئی تصادم وکشمکش نہیں ہے۔ اس لیے مذہب کا ماضی کی ایک فرسودہ وناکارہ متاع ہونا اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہونا سینٹ پال مسیحیت اور دیگر مذاہب کی حد تک تو واقعی درست ہے مگر یہ تصور اسلام کے حوالہ سے کوئی معنٰی نہیں رکھتا۔ اسلام تو طلب علم اور مشاہدہ کائنات کی تحریک ہے۔ وہ ہر وقت انسانوں کو تعقل، تدبر، اور تفکر کی تلقین کرتا ہے۔ مگر آج ہماری اصل بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء اسلام کی جو تصویر پیش کرتے ہیں، وہ اصلی وحقیقی اسلام کی تصویر کم اور قرون وسطٰی کے فقہاء ومتکلمین جو مغربی (یونانی) افکار و تصورات سے متاثر ومرعوب ہوگئے تھے، ان کی ذہنی وفکری تعبیرات وتشریحات کا ملغوبہ زیادہ ہے۔ قرون وسطٰی کے مصالح وتقاضوں سے متاثر تعبیرات موجودہ زندگی کے فکری وعملی مسائل کے حل میں بہت کم رہنمائی کرتی ہیں۔ صدیوں پرانی کلامی وفقہی تعبیرات جو حقیقتاً اپنے اپنے دور کی سیاسی، معاشی، سماجی وتہذیبی اور تمدنی حالات و مصالح اور ضروریات کی پیداوار تھیں، انہیں حالات حاضرہ کے مسائل وچیلنجز پر من وعن منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ عالم اسلام کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذی اقتدار واختیار طبقہ نے ان تعبیرت کو فرسودہ اور موجودہ حالات میں غیر منطبق دیکھ کر وہ اسلام ہی کی افادیت کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا ہوگیا اور وہ مغرب کے نظام وقانون، سیاست وطرز تعلیم اور تہذیبی ومعاشرتی اقدار کو مسلم معاشروں پر مسلط کرتا جارہا ہے۔

مغرب کی تمام سیاسی وقانونی تصورات واصطلاحات جیسے ڈیموکریسی، سوشلزم، لبرل ازم، سیکولرزم، یہ سب مغرب کی صدیوں پر محیط مذہبی، تہذیبی، سماجی وتمدنی تصورات اور عقائد ورسوم سے وابستہ ہیں۔ یہ تمام مغربی تصورات مشرقی اقوام کے تصورات خصوصاً اسلامی نظریہ وفکر سے متصادم ہیں، ان کے اسلامی معاشروں پر اطلاق کا مطلب اسلامی

معاشرے کو صرف مغرب کی تاریخی تہذیبی و فکری و سیاسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا ہے جو مشرق کے کسی ایسے مذہب پر بھی فٹ نہیں بیٹھتی جس کا تعلق آسمانی تعلیمات و ہدایات سے کٹ گیا ہو جیسے ہندو معاشرہ یا بدھسٹ معاشرہ۔ اسلام جو اپنے وجود میں آنے سے ابتک ایک لمحہ کے لیے بھی آسمانی تعلیمات سے کٹ نہیں ہوا، اس پر ان تصورات و اصطلاحات کا انطباق کیسے ہو سکتا ہے۔ بقول علامہ سید سلمان ندوی کے اسلامی حقائق کو زمانہ کے ماحول کے مطابق مروجہ اصطلاحات میں ادا کرنا ہمیشہ تعبیر حقائق سے زیادہ تغییر حقائق کا باعث ہوا ہے۔ مثلاً بیسویں صدی میں جن Movement مفکرین نے اسلام کو ایک تحریک قرار دیا وہ بلا ارادہ اسلام کی تغییر کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ تحریک) کا لفظ ایک تمدن و فکری پس منظر رکھتا ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام ہرگز کوئی نیا) مذہب نہیں ہے جو ساتویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا بلکہ اس آسمانی پیغام کا تسلسل و استمرار ہے جو پیغمبر اسلام سے پہلے حضرت عیسٰیؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، اور حضرت آدمؑ نے دیا، خالق و مخلوق کے درمیان اسی ارتباط کا نام مذہب ہے۔

آسمانی تعلیمات یا ربانی رشد و ہدایت کے بجائے محض انسانی عقل و فہم کے ذریعہ وضع کردہ قوانین و ضابطے اور معیارات خیر و شر عالم انسانی سے ظلم و ناانصافی اور استحصال کو ختم نہیں کر سکتے اور نہ ہی بنی نوع انسان کے اخلاقی روحانی اور مادی فلاح و کامیابی کا موجب بن سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی قوم یا طبقہ کے وضع کردہ قوانین و ضابطے ہوں یا خیر و شر کے معیارات، وہ ان کے ذاتی، نفسیاتی اثرات اور ملکی و قومی مفادات کے تابع ہوتے ہیں، اس میں ابدی استواری و معروضیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے وہ اقوام عالم میں جاری آویزش و کشمکش مٹا کر ان کے درمیان اتحاد و یگانگت کا سبب و ذریعہ نہیں بن سکتے۔ خاص طور پر سیکولرزم یعنی دین و قانون اور سیاست کی علاحدگی کے تصور نے دنیا میں اخلاقی، روحانی، عمرانی، تہذیبی و سیاسی ابتری کو پروان چڑھایا اور اقوام کے مابین کشمکش و مخاصمت کو بڑھایا ہے اور انسانی معاشروں کو حقیقی راحت و شادمانی اور امن و سکون سے دور کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف آسمانی تعلیمات پر انسان اور معاشرہ کی مادی، حیاتیاتی و روحانی تقاضوں کی تکمیل کرتی ہیں۔ کیونکہ اس کے قوانین اور ضابطوں میں ثبات

کے پہلو بہ پہلو تغیر کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ خالق ہی مخلوق کے ہر طبقہ کے مصالح و مفادات کو ملحوظ رکھ سکتا ہے۔

یورپ کو انقلاب فرانس کے بعد سینٹ پال کے غیر فطری، غیر عقلی مذہب سے تو نجات حاصل ہو گئی جو ایک خبیث جن و بھوت کی طرح مغرب کے عقل و شعور پر مسلط تھا مگر مسیحؑ کے اصل دشمن یہود مغرب کی اقتصادیات، ذرائع ابلاغ و سیاست پر پوری طرح حاوی ہو گئے بلکہ مغرب کے فکر و فلسفہ کی باگ وڈور بھی اپنے ہاتھوں میں لے کر مغرب کو ایک روبوٹ کی طرح اپنے اشاروں پر چلا رہے ہیں۔ پوپ کی تباہ کاریاں یورپ تک محدود تھیں مگر صیہونیوں کی پوری دنیا تک وسیع ہیں۔ تقریباً پینتیس سال پہلے ایک صیہونی اسکالر سمویل ہنٹنگٹن نے مغرب کو تہذیبوں کی جنگ کا فلسفہ دے کر مغرب کو عالم اسلام سے بھڑا دیا، یعنی مستقبل میں دنیا میں جنگیں تہذیبوں کی بنیاد پر ہوں گی اور مغربی تہذیب کو اصل خطرہ اسلامی تہذیب سے ہے۔ یہاں بھارت کے سابق صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کا مقولہ یاد آتا ہے کہ تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، وحشتیں ٹکراتی ہیں، علوم نہیں ٹکراتے، جہالتیں ٹکراتی ہیں۔ کیونکہ مہذب ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان عقل و انصاف پر چلے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب نے صیہونیوں کے ایماء پر رقص کرتے ہوئے اسلام کے خلاف تہذیبی جنگ شروع کر دی ہے۔ اس جنگ کے شعلوں کو بھڑکانے کے لیے موساد اور امریکی صیہونی لابی نے نائن الیون کروا کر تہذیبی جنگ میں مزید شدت پیدا کر دی۔ مغرب نے کچھ عرصہ سے تہذیب کے لیے ایک نیا عنوان ”مین اسٹریم“ تراشا ہے۔ مین کا لفظی ترجمہ سب سے بڑا، اہم یا بنیادی اور اسٹریم ندی یا دریا کو کہتے ہیں۔ دوسرا لفظ تہذیب کے لیے ”لائف اسٹائل“ اختیار کیا ہے۔

دنیا میں پہلے انسان حضرت آدمؑ کے وقت سے یہ تہذیبی لائف اسٹائل یعنی طرز زندگی کی جنگ جاری ہے۔ ایک لائف اسٹائل وہ ہے جو خالق کائنات نے ہر دور میں پیغمبروں کے ذریعہ عطا کیا اور دوسرا لائف اسٹائل اللہ کے پیغمبروں کی ضد اور مخالفت میں انسانوں نے اپنے نفس کی خواہش کے مطابق اختیار کیا۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا لائف اسٹائل غیر فطری عمل (Gay) تھا اور یہ عین جمہوری مزاج کے مطابق ان کا مین اسٹریم یا قومی دھارا

تھا۔ پوری قوم میں محض گنتی کے چند نفوس اس مین اسٹریم کے خلاف حضرت لوط کے ساتھ تھے۔ قوم شعیب کی تہذیب یا مین اسٹریم کم تولنا تھا، یہ بھی جمہوری یا اکثریتی قومی دھارا تھا، صرف چند لوگ حضرت شعیبؑ کے ساتھ تھے۔ ہر دور میں پیغمبروں کے مخالفین مین اسٹریم یا اکثریت (عین جمہوری) رہے ہیں۔ نائن الیون کے بعد مغربی تہذیب کے دو علمبرداروں امریکی صدر جارج بش اور برطانوی پرائم منسٹر ٹونی بلیئر نے اعلان کیا کہ ہم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں، ہمارے لائف اسٹائل (تہذیب) کے خلاف افغانستان و عراق میں جو بھی سامنے آئے گا، اسے تباہ کر دیا جائے گا۔ نائن الیون کے ایک ماہ بعد امریکی وزیر دفاع رونالڈ رمز فیلڈ نے دو ارب ڈالر کی لاگت سے تیار شدہ B52 بمبار طیارے کے سامنے کھڑے ہو کر امریکی فضائیہ کے ان ہوا بازوں سے جو افغانستان کے عوام کو تباہ کرنے کے لیے بمباری کے مشن پر روانہ ہو رہے تھے، خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ”ہمارے سامنے صرف دو راستے ہیں (۱) ہم اپنے لائف اسٹائل کو یکسر بدل دیں اور ان مسلمانوں کا لائف اسٹائل اختیار کر لیں (۲) یا ہم ان کے لائف اسٹائل کو بدل دیں۔ ہم نے یہ دوسرا راستہ چنا ہے۔ اب آپ کا کام اس مشن کی تکمیل ہے۔

اب اس تہذیبی جنگ کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ افغانستان، عراق، الجزائر، لیبیا، تیونس، مصر، صومالیہ اور یمن تک پھیل چکا ہے۔ اب تک مغرب اپنی تہذیب مسلط کرنے کے لیے تقریباً ایک لاکھ حملے کر چکا ہے اور یہ تہذیبی ہولی وار (مقدس جہاد) تیز تر ہوتی جا رہی ہے، اس میں بیس لاکھ کے قریب لوگ موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ اس تہذیبی جنگ میں مغرب کی لائف اسٹائل یعنی تہذیب یا طرز زندگی کو حاوی کرنے یا تقویت پہنچانے میں تین اداروں کا بنیادی رول ہے۔ (۱) میڈیا (۲) نظام تعلیم (۳) ڈیموکریسی، الیکشنی سیاست۔ دنیا کا میڈیا تو مکمل طور پر مغربی و صیہونی کنٹرول میں ہے، مسلم ممالک میں نظام تعلیم کو مغرب کی منشا و مزاج کے مطابق بنانے کا عمل تیزی سے جاری ہے، دینی مدرسہ اس کا خاص نشانہ ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کو دنیا میں ترقی و کامیابی کے لیے مغربی نظام تعلیم اور تمدن و اسلوب زندگی کی ضرورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عصری تعلیم گاہوں کے مسلمان اسٹوڈنٹس کو آخرت کی کامیابی و فلاح کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں؟

تقریباً نصف صدی پہلے امریکہ کے معروف صیہونی ادارے "رینڈ کارپوریشن" نے ایک رپورٹ مرتب کر کے مشورہ دیا تھا کہ مسلم ممالک کے عوام کو مین اسٹریم (مغربی تہذیب) میں لانے کا سب سے مؤثر نسخہ مغربی طرز سیاست یعنی انتخابی جمہوریت ہے۔ ہم اس کے ذریعہ مسلمانوں کو بہت سے گروپوں میں تقسیم کر کے ان میں سے اپنے کام کے لوگ باآسانی تلاش کر سکتے ہیں۔ اول تو اسلام پسند جماعتیں الیکشن میں جیت نہیں سکیں گی۔ اگر کبھی (مصر، الجزائر کی طرح) جیت بھی گئیں تو ہم انہیں کی فوج کے ذریعہ باآسانی کچل دیں گے۔ چنانچہ مغرب پوری مسلم دنیا میں مغربی طرز سیاست یعنی ڈیموکریسی و جمہوریت کے لیے سرگرم عمل ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مسلم دنیا میں مغربی لائف اسٹائل و تہذیب کا نفوذ بہت آسانی سے ہوتا ہے۔ مغرب کی اس تہذیبی یلغار کے مقابلہ کے لیے ہمارے پاس لے دے کر دینی مدارس ہیں مگر افسوس اس پر ہے کہ ہمارے علماء ماضی میں جس طرح یونانی علوم کے اسیر بن گئے تھے وہ اب مغربی فکر سیکولرزم (دین دنیا کی علاحدگی) کو عملاً قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ ہمارا پورا دینی تعلیمی ڈھانچہ عقائد و عبادات کے گرد گھومتا ہے، اس میں اجتماعی معاملات پر کوئی بحث و تحقیق تک نہیں ہے، اس کے نفاذ کے لیے افراد کاری کی تیاری تو دور کی بات ہے۔

03204815186